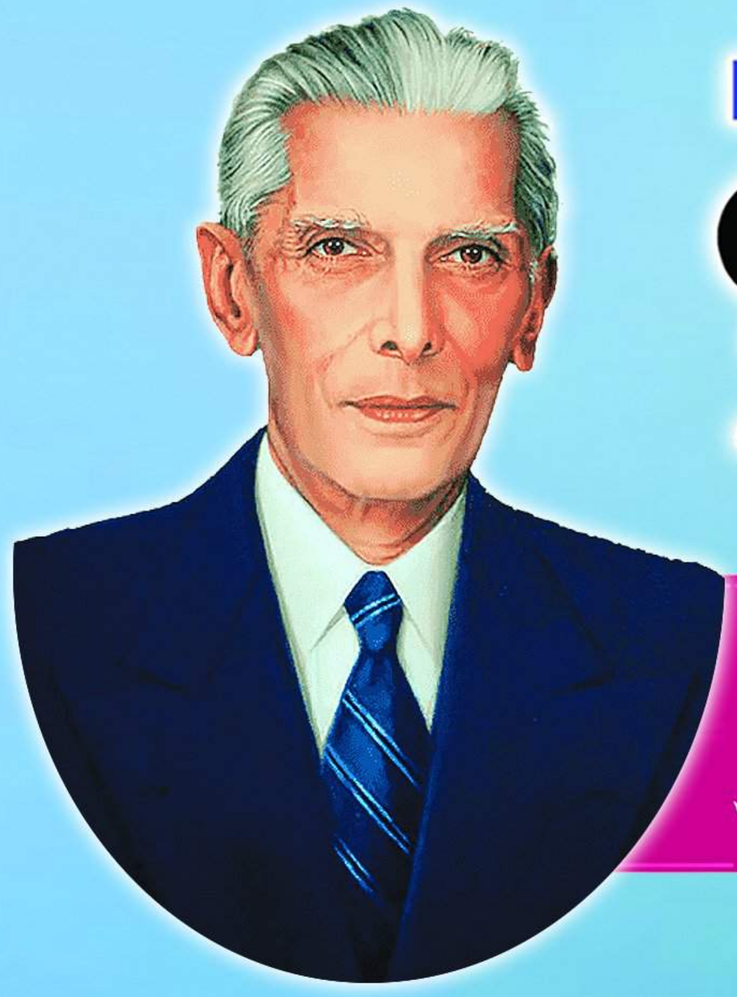
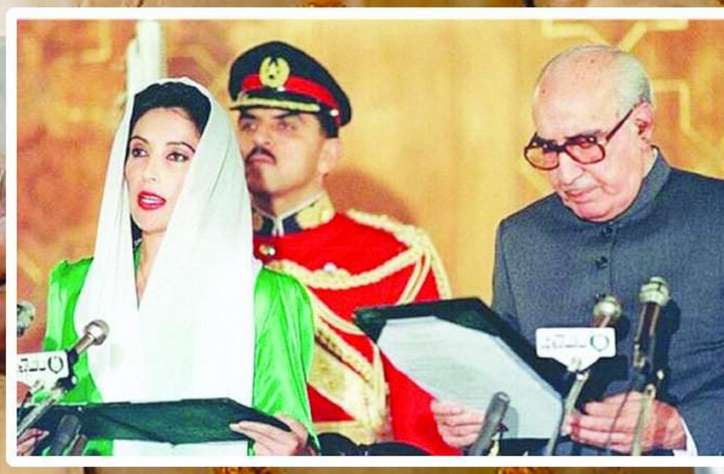
ماہنامہ
کرائم بیورو
کراچی
ABC Certified باقاعدہ تصدیق شدہ اشاعت
دسمبر 2025ء
قیمت: 200 روپے



قائد اعظم کی زندگی کے گمشدہ اوراق

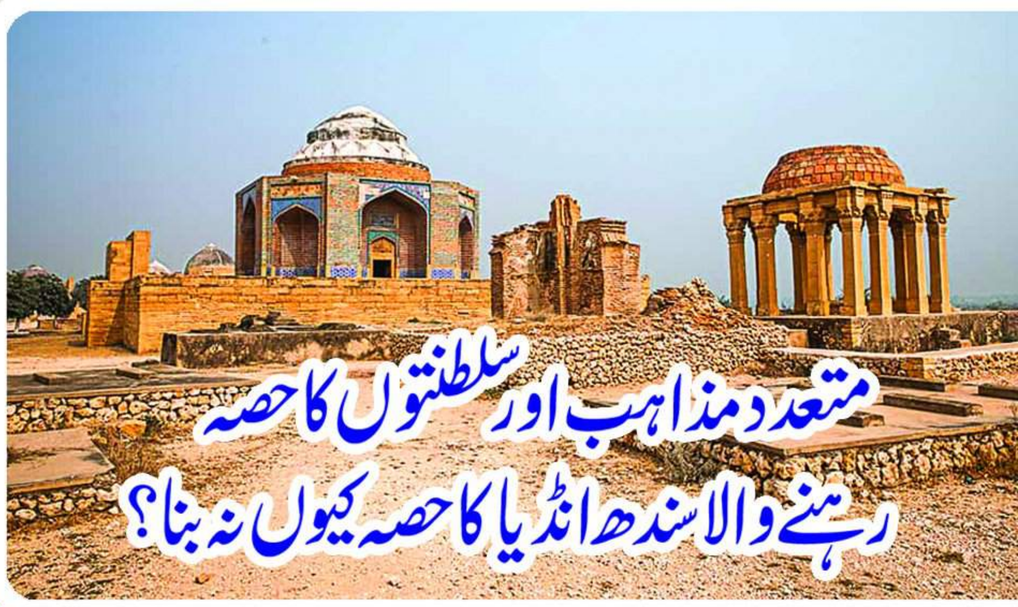


بینظیر بھٹو کی 18ویں برسی





فیلڈ مارشل عاصم منیر کی بطور چیف آف دی ڈیفنس فورسز تعیناتی:



متعدد مذاہب اور سلطنتوں کا حصہ رہنے والا سندھ انڈیا کا حصہ کیوں نہ بنا؟



ای چالان کے بانی--- پیر محمد شاہ



سلمان خان

CRIME

CRIME STOPPERS

PROUD TO SERVE
SINDH POLICE

CRIME SCENE DO NOT CROSS



سب انسپکٹر حفیظ اعوان

(عیدگاہ پولیس اسٹیشن)



سب انسپکٹر شاکر علی

(ایس ایچ او لیاقت آباد پولیس اسٹیشن)



سب انسپکٹر آغا رشید

(ایس ایچ او ملیر کینٹ)



سب انسپکٹر فیصل رفیق

(ایس ایچ او بن قاسم)

ABC Certified باقاعدہ تصدیق شدہ اشاعت

ماہنامہ

جرائم بیورو

کراچی

جلد نمبر 06 | دسمبر 2025ء | شمارہ نمبر 01

قیمت: 200 روپے

فرمان الٰہی

جو اس دنیا میں (دیدارِ الٰہی سے) اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا۔
(بنی اسرائیل:72)



فرمان مصطفیٰ ﷺ

زمانے کو برا مت کہو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی زمانہ (کا مالک) ہے۔
(صحیح مسلم، حدیث نمبر: 5866)



فہرست

بینظیر بھٹو کی 18 ویں برسی	5-6
قائداعظم کی زندگی کے گمشدہ اوراق	7
فیلڈ مارشل عاصم منیر کی بطور چیف آف دی ڈیفنس فورسز تعیناتی:	8-9
کراچی میں بچے کی گٹر میں گر کر ہلاکت	10-11
ای چالان کے بانی۔۔پیر محمد شاہ	12
ملیر جیل میں مبینہ کرپشن کا گھناؤنا جال	13
متعدد مذاہب اور سلطنتوں کا حصہ رہنے والا سندھ انڈیا کا حصہ کیوں نہ بنا؟	14-15
فلم 'دھورندھر' میں دکھایا جانے والا لیاری اب کیسا ہے؟	16-17
کشمیر یونیورسٹی 'داخلہ اسے ملے گا جسے ماتا سے عقیدت ہو'	18
'کھلے مین ہول یا نالے میں رات کو ہرگز مت گریں'	19
یو اے ای ویزا کے حصول میں پریشانیاں' پاکستانی کیسا محسوس کرتے ہیں؟	20
'زہران ممدانی کی جیت۔اسرائیل کی حمایت سے امریکی تنگ آچکے ہیں'	21
سعودی عرب اور مکہ مکرمہ کے بارے میں حیران کن معلومات	22-23
ٹی 20 ورلڈ کپ کا شیڈول جاری، پانچ اہم مقابلے جن پر سب کی نظریں	24
لیاری زون کے قدیمی کیبرال اسکول میں اسٹیم مقابلہ	25
ملک زاہد دہلوی۔تاجر برادری کا قابل فخر چہرہ اور اتحاد کی علامت ہیں	26
ڈھیلی جلد کا آسان اور مؤثر حل	27
پاکستان کی ٹرائی سیریز میں فتح۔سوشل میڈیا پر فاف ڈوپلیسی کے چرچے کیوں؟	28

پبلشر فضیل امر نے خرم پرنٹنگ پریس پاکستان چوک سے چھپوا کر
آفس نمبر 1، پاکستان ہاؤسنگ اتھارٹی قائدآباد ملیر سے شائع کیا
monthlycrimebureau@gmail.com
crimebeauru@gmail.com

چیف ایڈیٹر: شیخ حسین امر

ایڈیٹر: عرفان ساگر

ڈپٹی ایڈیٹر: مارشا امر

منیجنگ ایڈیٹر: معظمہ جٹ

ایڈیٹر انوسٹی گیشن: شکیل ناچ

مجلس ادارت:
نیاز کھوکھر، راؤ جمیل، آغا خالد، ضیاء الرحمٰن، ڈاکٹر جعفر عباس، سمیر قریشی، ملیحہ عمران (انگلینڈ)، غازی صلاح الدین، فاروق مرزا (امریکہ)، عبدالوحید جیلانی، افضل سندھو، کامران خان، اسداللہ خان، طارق پٹھان

انچارج انوسٹی گیشن ٹیم: زاہد شاہ

چیف رپورٹر: انور سلطان (0300 2056305)

کرائم رپورٹر:
عمیر خان، عمران شاہد، عبداللہ گدی، سہیل آرائیں، زید میمن
سلطان چاکی سومرو احسن کندی (فیصل آباد)

چیف فوٹو گرافر: عبدالستار قریشی

بیورو چیف:
نوید میو (اسلام آباد) راحیل شہزاد (شہید بینظیر آباد)
سعدیہ حق (لاہور) چوہدری مستقیم (چنیوٹ) عبدالغفور سروہی (حیدرآباد)

ڈسٹرکٹ رپورٹرز:
ابرار احمد (سوات) مراد عباسی (پنوعاقل)
آفتاب سروان (ٹھٹھہ) ساجد علی شاہ (چنیوٹ)

انچارج سندھ ڈیسک: سید انعام شاہ

قانونی مشیران:
امجد حسین قریشی ایڈووکیٹ
امان اللہ یوسفزئی ایڈووکیٹ، نظر اقبال (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

ماہنامہ

کرائم بیورو

کراچی

ABC Certified باقاعدہ تصدیق شدہ اشاعت



آج کے جدید ترین ٹیکنالوجی سے لیس سوشل میڈیا کے دور میں ہم تحقیقاتی صحافت کو زندہ رکھنے کا عزم لئے ایک ماہنامہ میگزین کا اجراء کر چکے ہیں جس میں سینئر اور تحقیقی صحافیوں پر مشتمل تجربہ کار ٹیم کی مجلس ادارت ہے۔ میگزین کا فوکس کرائم کے شعبے سے جڑے تحقیقاتی مضامین سے ہے۔ ہماری کوشش ہوتی ہے کہ میگزین کا ہر شمارہ ہر مہینے کی ایک دستاویز کی حیثیت کا حامل ہو۔

کراچی، اسلام آباد، لاہور، حیدر آباد، فیصل آباد، سکھر، پشاور، کوئٹہ سمیت تمام چھوٹے بڑے شہروں سے بیورو چیفس اور ضلعی نمائندگان کے تحقیقاتی مضامین اور رپورٹس آپ کو نہ صرف چونکائیں گی بلکہ ارباب اختیار کو ایکشن میں آنے پر مجبور بھی کریں گی۔

ہماری ٹیم میں شامل
ہونے اور میگزین کا حصہ
بننے کیلئے رابطہ کریں

واٹس ایپ نمبر: 0300 2056305

'بی بی کی یادیں سائے کی طرح میرے ساتھ رہتی ہیں، میں نے انہیں اپنے والد ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی کے بعد مارشل لا کے خلاف طویل جدوجہد کرتے، جیلیں کاٹتے اور 2 مرتبہ وزیرِاعظم بننے کے مراحل سے گزرتے دیکھا ہے۔ میرے سامنے وہ زاروقطار روئیں بھی اور کھلکھلا کر ہنسیں بھی۔ وقت نے انہیں بہت کچھ سکھا دیا تھا، بے نظیر اگر زندہ ہوتیں تو

ناہید خان نے پاکستان میں محترمہ کی آخری سالگرہ کی یادیں تازہ کرتے ہوئے بتایا کہ '21 جون 98ء کو ہم نے بی بی کی سالگرہ کو کونٹ گروو میں منائی۔ یہ ریسٹورنٹ آرٹس کونسل کے پاس تھا مگر اب ختم ہو چکا ہے۔ بی بی اپنی سالگرہ ہمیشہ نجی سطح پر چند گنے چنے دوستوں کے ساتھ مناتی تھیں البتہ پارٹی کی سطح پر الگ تقریبات ہوتی تھیں۔ اس سالگرہ میں وہ بہت خوش اور

خوبصورت نظر آرہی تھیں۔ انہوں نے شوخ رنگ کا لباس زیب تن کیا ہوا تھا اور سب دوستوں سے ہنسی مذاق کر رہی تھیں۔ سالگرہ میں میرے اور صفدر (ناہید خان کے شوہر ڈاکٹر صفدر عباسی) کے علاوہ بی بی کی کلاس فیلوز سمیعہ وحید، سلمٰی وحید، اسکول کی دوست ٹُچی (مسز راشد)، کزن فخری بیگم، کزن طارق اور اس کی بیگم یاسمین اور کزن کا بیٹا جہانزیب جس کے والدین لندن

بینظیر بھٹو کی 18ویں برسی

پاکستان پیپلز پارٹی کی چیئرپرسن اور 2 مرتبہ منتخب ہونے والی اسلامی دنیا کی پہلی خاتون وزیرِاعظم بے نظیر بھٹو 21 جون 1953ء کو کراچی میں پیدا ہوئیں۔ انہیں 35 سال کی عمر میں وزارتِ عظمیٰ حاصل ہوئی اور 2 مرتبہ اس عہدے پر فائز رہیں



آج ملک کا منظر بہت مختلف ہوتا؛ پاکستان کی سابق وزیرِاعظم محترمہ بے نظیر بھٹو کی پولیٹیکل سیکرٹری ناہید خان نے یہ باتیں محترمہ کی سالگرہ کے موقع پر گفتگو کرتے ہوئے کہیں۔

پاکستان پیپلز پارٹی کی چیئرپرسن اور 2 مرتبہ منتخب ہونے والی اسلامی دنیا کی پہلی خاتون وزیرِاعظم بے نظیر بھٹو 21 جون 1953ء کو کراچی میں پیدا ہوئیں۔ انہیں 35 سال کی عمر میں وزارتِ عظمیٰ حاصل ہوئی اور 2 مرتبہ اس عہدے پر فائز رہیں تاہم دونوں مرتبہ ان کی حکومت بدعنوانی کے الزامات پر برطرف کردی گئیں۔

بے نظیر بھٹو کے دورِ حکومت پر اعتراضات موجود ہیں لیکن انہوں نے اپنے دورِ اقتدار میں عورتوں کے حقوق کے لیے مثالی اقدامات کیے جن میں فرسٹ وومن بنک، وومن پولیس اسٹیشن اور یونیورسٹیز میں وومن اسٹڈی سینٹرز کا قیام، سرکاری ملازمتوں میں خواتین کے لیے 5 فیصد کوٹے کا اجرا، لیڈی ہیلتھ ورکرز پروگرام، خواتین کی ترقی کے لیے وفاقی وزارت کے قیام جیسے اقدامات شامل ہیں۔

ہم نے محترمہ کی سالگرہ کے موقع پر ان کی پولیٹیکل سیکرٹری اور 'محرم راز' ناہید خان سے گفتگو کی ہے۔ ناہید خان نوعمری میں ذوالفقار علی بھٹو کی پیپلز پارٹی سے وابستہ ہوئیں، 84ء میں محترمہ کے ساتھ کام کا آغاز کیا اور یہ رفاقت اس وقت اختتام کو پہنچی جب 27 دسمبر 2007ء کو محترمہ گولیاں لگنے کے بعد گاڑی میں اپنے ساتھ بیٹھی ناہید خان پر آگریں اور ان کے ہاتھوں میں دم توڑا۔



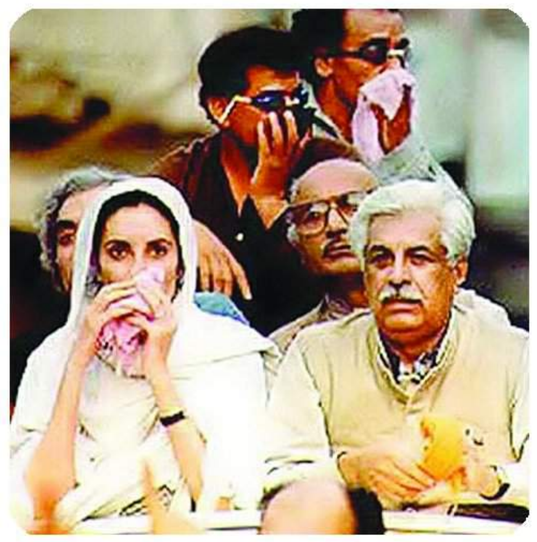




میں تھے اور وہ اپنی تعلیم کی وجہ سے بی بی کے پاس رہتا تھا شریک تھے۔ بی بی کا پسندیدہ چاکلیٹ کیک منگوایا گیا تھا۔ بے نظیر اپنے دوستوں کے حلقے میں دل کھول کر ہنستی تھیں، وہ مزاح پسند کرتی تھیں اور خود بھی لطائف سناتی تھیں۔ پاکستان میں یہ ان کی آخری سالگرہ ثابت ہوئی، کیونکہ اپریل 1999ء میں وہ دبئی چلی گئی تھیں۔

ناہید خان نے بتایا کہ 'بی بی سونے کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہوئی تھیں، ناز و نعم میں پرورش پائی تھی لیکن جس طرح کم عمری میں ان پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹے، اگر ان کی جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو بکھر جاتی۔ وہ 26 سال کی تھیں جب ان کے والد کو پھانسی دی گئی، اس کے بعد ان کے لیے طویل جدوجہد بھری زندگی کا آغاز ہوا۔ میں جب تک ان سے نہیں ملی تھی ان کے بارے میں یہی جانتی تھی کہ وہ ذوالفقار بھٹو کی بڑی صاحبزادی ہیں اور اپنے والد کی سزا کے خلاف جدوجہد کر رہی ہیں۔

84ء میں میری ان سے لندن میں جام صادق صاحب کے ہاں پہلی ملاقات ہوئی۔ پاکستان میں یہ مارشل لا کا بدترین دور تھا، بھٹو کی پھانسی کے بعد پیپلز پارٹی کے کارکنوں کو نا صرف سزائے موت اور کوڑوں کی سزائیں دی جا رہی تھیں بلکہ وسیع پیمانے پر پکڑ دھکڑ جاری تھی اور چادر اور چار دیواری کے حقوق پامال کیے جا رہے تھے۔ یہ کسی بھی گھر میں گھس کر لوگوں کو اٹھا لے جاتے تھے۔ میرے اپنے 14 سالہ بھائی اور افغانستان سے آئے ہمارے کزن کو بھی گھر سے اٹھا لیا تھا۔ پیپلز پارٹی کے سرگرم کارکن ہونے کی وجہ سے میں اور دیگر ساتھی مکمل زیرِ عتاب تھے۔ صفدر ہمدانی، اقتدار شاہ، ابن رضوی، ریاض خان اور میرے خلاف کیس بنا دیے گئے اور گرفتاری سے بچنے کے لیے ہم سب ملک چھوڑ کر لندن چلے گئے۔ یہ 83ء کا اختتام تھا۔ جام صادق لندن میں مقیم تھے اور وہ ہم نوجوانوں کی بہت حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ ہم انہیں چاچا کہتے تھے، مجھے انہوں نے اپنی بیٹی بنایا ہوا تھا۔ انہی کے گھر پر میری پہلی مرتبہ بی بی سے ملاقات ہوئی۔ وہ نہایت گرم جوشی سے ملیں اور اسی روز مجھ سے کہا کہ 'کیا آپ میرے ساتھ کام کرنا چاہو گی'۔ میں نے کہا 'کیوں نہیں! یہ میرے لیے اعزاز ہوگا'۔ اس پر انہوں نے کہا 'کل سے میرے پاس آجاؤ'۔



اس کے بعد سے کوئی دن ایسا نہیں تھا جب میں ان کے ساتھ نہ ہوں۔ میں صبح سے بی بی کے پاس چلی جاتی اور رات تک وہیں رہتی اور دوسرے ساتھی بھی پہنچ جاتے۔ بی بی ہم سے مارشل لا کے خلاف سفارتخانوں کو خط لکھواتیں، ہم انسانی حقوق کی تنظیموں سے رابطے کرتے، سردی، بارش کی پرواہ کیے بغیر احتجاجی مظاہرے کرتے، خصوصاً پاکستان سے کوئی حکومتی فرد آتا تو ہم سفارتخانے پر جا کر احتجاج کرتے تھے۔ بی بی نے پاکستان میں بھٹو صاحب کی پھانسی کے بعد خود ضیا حکومت کے بدترین جبر کا سامنا کیا تھا، لاٹھیاں کھائیں، جیلیں کاٹیں لیکن کوئی ظالمانہ ہتھکنڈا اس نازک وجود کو نہ توڑ سکا۔ لندن میں وہ اپنی پوری قوت کے ساتھ بھٹو صاحب کے نظریہ جمہوریت کو فروغ دے رہی تھیں۔ بی بی کی قیادت میں مارشل لا کے خلاف ہماری جدوجہد کو بیرونی دنیا میں پزیرائی حاصل ہو رہی تھی۔ لندن میں لارڈ ایوبری ہماری جدوجہد کی بھرپور حمایت کرتے تھے۔ پیپلز پارٹی کے لیے یہ ایک نہایت مشکل وقت تھا۔ نوعمر بے نظیر کو اپنے والد کی پھانسی کے صدمے کے ساتھ، پیپلز پارٹی کو سنبھالنے کا چیلنج درپیش تھا جس کی ذمہ داری اچانک ان کے نازک کاندھوں پر آ گئی تھی۔ پاکستان میں بھٹو کے انتہائی قریبی ساتھی اور جغادری رہنما پیپلز پارٹی کو چھوڑ گئے تھے۔ ایم آر ڈی کی تحریک بھی اچانک ختم کر دی گئی تھی اور کارکنوں کے خلاف مارشل لا کا کریک ڈاؤن جاری تھا۔

بی بی پاکستان فون کرتیں تو ان کو کارکنوں کی گرفتاریوں اور سزاؤں کی



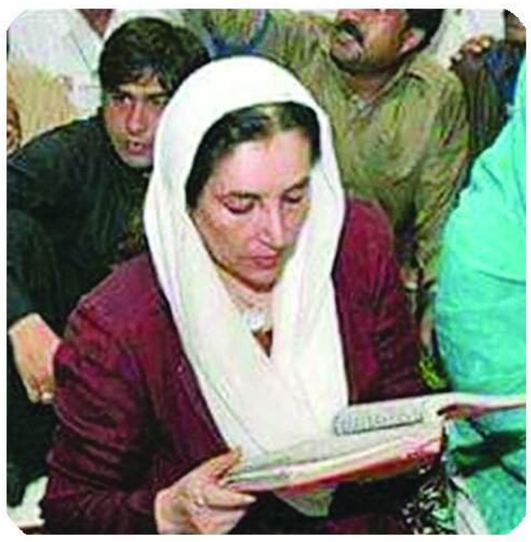
خبر ملتی تھی۔ اس دوران بی بی نے نہایت حوصلے، ہمت اور سمجھداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے چومکھی لڑائی لڑی۔ انہوں نے پاکستان میں اپنے کارکنوں سے رابطہ نہیں ٹوٹنے دیا، جس کارکن کا خط ملتا یا کسی کی تکلیف کے متعلق خبر پہنچتی تو بی بی خود فوری نوٹس لیتیں اور ان کی فیملیز سے رابطہ رکھتیں۔ انہوں نے عوام سے اور کارکنوں سے اپنا تعلق اتنا مضبوط بنایا کہ جب 86ء میں وہ پاکستان واپس آئیں تو ان کا فقید المثال استقبال دنیا نے دیکھا۔ کارکنوں سے یہ تعلق انہوں نے اپنی زندگی کی آخری سانسوں تک نہیں ٹوٹنے دیا'۔

ناہید خان نے کہا کہ 'بے نظیر بھٹو سیاست میں مفاہمت اور رواداری پر یقین رکھتی تھیں، جب 80 کی دہائی کے آخر میں وہ پاکستان آئیں تو اس وقت کراچی میں الطاف حسین سیاست میں سرگرم تھے۔ بے نظیر نے مہاجر قومی موومنٹ کی جانب مفاہمت کا ہاتھ بڑھایا۔ مجھے انہوں نے مفاہمت کا پیغام دے کر نائن زیرو بھجوایا تھا۔ میں الطاف حسین سے ملی اور انہیں کہا کہ بی بی چاہتی ہیں کہ سندھ میں سب کو مل کر رہنا چاہیے۔ بی بی کے پیغام کے بعد الطاف حسین اور ایم کیو ایم کی رہنما زریں مجید 70 کلفٹن بی بی سے ملنے آئے تھے۔ وزیرِ اعظم بننے کے بعد بی بی خود بھی نائن زیرو آئی تھیں۔ وہ اپنے بدترین مخالفین پر بھی مذاکرات کے دروازے بند نہیں کرتی تھیں، اسی لیے نواز شریف کے ساتھ بھی میثاقِ جمہوریت کا معاہدہ کیا تھا'۔

ناہید خان نے بے نظیر بھٹو کی ذاتی زندگی کے حوالے سے یاد تازہ کرتے ہوئے کہا کہ 'سیاست میں بی بی کی شخصیت ایک کرشماتی حیثیت رکھتی تھی اور بڑے بڑے لیڈران سے سوچ سمجھ کر بات کرتے تھے، لیکن ذاتی زندگی میں وہ بالکل درویش منش تھیں اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر بہت خوش ہو جاتی تھیں۔ انہیں چٹپٹے کھانے پسند تھے۔ مجھے یاد ہے کراچی میں جب ہم بی بی کے ساتھ آصف زرداری صاحب سے جیل میں ملنے جاتے تو واپسی پر منور سہروردی (مرحوم) ہمیں جیل کے نزدیک واقع اپنے گھر لے جاتے۔ ان کی بیگم ناہید حیدر آبادی کھانے بناتیں۔ خوبانی کا میٹھا اور اچار چٹنی بی بی بہت شوق سے کھاتی تھیں۔ کبھی اچانک ان کا دل چاہتا اور وہ کہتیں کہ برنس روڈ کے دہی بڑے کھانے چلو، بس پھر بی بی، میں، صفدر اور منور چپکے سے بغیر سیکیورٹی کے گاڑی میں نکل جاتے۔ بی بی کے ساتھ چاٹ اور دہی بڑے کھاتے۔ لندن کی فریمونٹ اسٹریٹ پر بھی وہ چٹپٹے کھانوں کے لیے جاتی تھیں'۔

وہ بتاتی ہیں کہ 'بی بی نہایت سادہ مزاج تھیں اور دولت مند خاندان سے تعلق کے باوجود ان میں غرور نہیں تھا۔ عوام میں گھل مل جاتیں، ان کے ساتھ چٹائی پر بیٹھ جاتیں، ان کے دکھ سکھ میں شریک ہوتی تھیں۔ مجھے یاد ہے بی بی کی شہادت سے کچھ عرصہ پہلے عید کے دنوں میں ہم نوڈیرو آئے تھے۔ انتخابی مہم کے سلسلے میں نادر مگسی نے شہداد کوٹ میں جلسہ رکھا تھا۔ بی بی نے خطاب کیا اس کے بعد ہم وہاں سے نکل آئے۔ راستے میں کوریجا نامی گاؤں آیا جہاں بچے کھیل رہے تھے، بی بی نے نثار کھوڑو سے کہا کہ یہاں گاڑی روکیں، مجھے ساتھ لے کر نیچے اتریں کہ بچوں کو عیدی دیتے ہیں۔ انہوں نے بچوں کو 100، 100 کے نوٹ دینا شروع کیے، بچے لپک لپک کر آنے لگے۔ ایک بچے نے اپنا نوٹ چھپا کر دوبارہ مانگا تو مجھ سے کہنے لگیں 'دیکھو بدمعاشی کر رہا ہے'۔ تھوڑی ہی دیر میں وہاں بہت سے بچے جمع ہو گئے اور انہوں نے دھکم پیل شروع کر دی۔ وہاں قریب میں ہی نہر بہہ رہی تھی، بی بی نے مجھے بازو سے پکڑا اور گھسیٹتے ہوئے کہنے لگیں 'بھاگو ورنہ یہ تو ہمیں پانی میں دھکیل دیں گے'۔

ناہید خان نے یہ بھی بتایا کہ بی بی اولیا کرام پیروں، درویشوں، ان کی درگاہوں کا بہت احترام کرتی تھیں۔ 'نوڈیرو میں قیام کے دوران ہم پیر سائیں حسین شاہ سے ملنے گئے، وہ وہیل چیئر پر بیٹھتے تھے۔ زمین پر چٹائی بچھی ہوئی تھی، بی بی آرام سے نیچے چٹائی پر بیٹھ گئیں۔ میں بھی پاس بیٹھ گئی۔ کچھ دیر بعد ہماری تواضع کے لیے چائے بسکٹ لا کر رکھے گئے۔ وہاں مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں۔ بی بی نے بسکٹ اٹھا کر کھانا شروع کیا، مجھے کھاتے ہوئے ہچکچاہٹ ہو رہی تھی، بی بی مجھے نظروں سے اشارہ کرنے لگیں کہ میں بھی بسکٹ کھاؤں تو میں نے بادل نخواستہ کھا لیا۔ وہاں سے نکلے تو بی بی نے مجھے کہا 'دیکھو اگر ہم ان کی رکھی چیزیں نہیں کھاتے تو ان کا دل ٹوٹ جاتا'۔



بے نظیر بھٹو اپنی شہادت سے ایک ہفتے قبل بے پناہ مصروف رہیں، وہ انتخابی دورے کر رہی تھیں، ناہید خان بھی اس دوران مستقل ان کے ساتھ تھیں۔ ناہید خان نے بتایا کہ بی بی کی زندگی کے آخری دنوں میں ان کے طرزِ عمل اور باتوں میں مجھے غیر معمولی پن محسوس ہوا۔

ناہید خان نے کہا کہ 'بی بی ایک نہایت میچور سیاستدان کی حیثیت میں پاکستان واپس آئی تھیں، ان کے پاس پاکستان کی معیشت کو ٹھیک کرنے کا، سیاسی نظام کی مضبوطی کا، پارلیمنٹ کے استحکام کے لیے کہ کبھی بھی صدر اٹھ کر اسمبلی نہ توڑ دے، جمہوریت کو پٹری سے نہ اتار دیا جائے، دہشتگردی سے نپٹنے کا ایک پورا پلان موجود تھا۔ انہوں نے ملک میں تعلیم کے فروغ، خواتین اور اقلیتوں کی بہتری کے لیے منصوبے بنائے ہوئے تھیں۔ بے نظیر اگر زندہ رہتیں تو پاکستان کا منظر بہت بہتر ہوتا'۔

ناہید خان اور صفدر عباسی نے پیپلز پارٹی کے دیرینہ/نظریاتی ساتھیوں کے ساتھ مل کر پاکستان پیپلز پارٹی ورکرز قائم کی ہوئی ہے جس کی چیئر پرسن کا عہدہ آج بھی محترمہ بے نظیر بھٹو کے نام ہے۔

لندن

قائد اعظم کی زندگی کے گمشدہ اوراق

قائداعظم محمد علی جناح کی زندگی کے کچھ پہلو ایسے ہیں جو آج تک کسی بھی عام پاکستانی کی نظروں سے اوجھل ہیں۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ اس کے نتیجے میں کچھ ایسے حقائق منظر عام پر آتے ہیں جو پاکستان کی نوکر شاہی سے ہضم نہیں ہوتے، حتیٰ کہ قائداعظم محمّد علی جناح کے بارے میں ایسی معلومات جو ان کی ہمشیرہ فاطمہ جناح نے لکھی ہیں وہ بھی ریکارڈ سے غا ئب کردی گئیں۔

پاک و ہند کی تاریخ نویسی ہمیشہ سے مستند ہونے کے بجائے متنازع رہی ہے۔ عموماً تاریخ نویسی کا عمل راجوں مہاراجوں اور بادشاہوں کے پیشہ ور مورخین ان کے دور میں کرتے تھے۔ اس طرح لکھی جانے والی تاریخیں ہمیشہ مدح سرائی سے بھر پور ہوتی تھیں، یہ تاریخیں عوامی تاریخیں نہیں ہوتی تھیں، بلکہ ان میں فقط حکمرانوں کی فتوحات، سخاوت اور نام نہاد کارناموں کا ذکر ہوتا تھا۔

دور قدیم میں اس طرح کی تاریخ نویسی کی وجہ بالکل واضح تھی کہ حکمران یہ سمجھتے تھے کہ ان کے تمام کارنامے 'عقل و فہم کا عالیشان نمونہ ہیں لیکن یہ سلسلہ صرف دور قدیم تک محدود نہیں رہا بلکہ دور جدید میں بھی حکمران ایسی تاریخیں اور سوانح عمریاں لکھواتے ہیں جس میں صرف ان کے کارناموں کا ہی ذکر ہوتا ہے۔

سابق فوجی آمر ایوب خان کے دور میں ایک ادیب نے ایک ناول لکھا اور چھپوانے کے لیے پبلشر کے پاس لے گیا لیکن اسے سخت مایوسی کا شکار ہونا پڑا جب تمام پبلشرز نے انہیں بتایا کہ ان کا ادارہ صدر ایوب کی کتاب 'جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی، فرینڈز ناٹ ماسٹرز' چھاپ رہے ہیں، اور ناول چھاپنے کے لیے ان کے پاس بالکل وقت نہیں ہے۔ بڑی کوششوں کے بعد انہوں نے ایک چھاپے خانے کے مالک کو کتاب چھاپنے کے لیے تیار کرلیا لیکن پریس کے مالک نے شرط یہ رکھی کہ کاغذ کا بندوبست مصنف خود کریں۔

اب موصوف کاغذ کی تلاش میں نکلے تو کاغذ فروشوں کا جواب بھی یہی تھا کہ کاغذ صدر ایوب کی کتاب کے لیے دستیاب ہے، اس کے علاوہ کسی اور کتاب کے لیے کاغذ ناپید ہے۔ بڑی مشکل سے انہوں نے کاغذ کا بندوبست بھی کرلیا اور یوں کتاب چھپ گئی۔ چھپنے کے بعد انہوں نے جب کتب فروشوں سے کتاب کی فروخت کے لیے رابطہ کیا تو ان کا جواب بھی یہی تھا کہ ان کی دکان اس وقت صرف صدر ایوب کی کتاب سے سجی ہوئی ہے اور وہی فروخت ہو رہی ہے، کسی اور کتاب کی فروخت سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

موصوف نے مایوس ہو کر تمام کتابیں اپنے چھوٹے سے گھر میں رکھ دیں۔ ان کی بیگم نے کچھ عرصے تک تو کتابوں کے انبار کو برداشت کیا لیکن کچھ عرصے بعد روز مطالبہ کرنا شروع کردیا کہ ایک تو گھر پہلے ہی چھوٹا سا ہے اور اس میں بھی آدھی جگہ کتابوں نے گھیر رکھی ہے۔

روز روز کے جھنجھٹ سے تنگ آ کر آخر حضرت کتابیں لے کر پرانی کتابوں کے بازار ریگل چوک پہنچے۔ یہ ان کے لیے آخری صدمہ تھا جب پرانی کتابیں فروخت کرنے والوں نے بھی ٹکا سا جواب دیا کہ اس وقت وہ صرف صدر ایوب کی کتاب ردی میں بیچ رہے ہیں، کسی اور کتاب کی گنجائش نہیں ہے۔

اس طرح کی کتابوں کا یہی حشر ہوتا ہے۔ ہاں تو ہم ذکر کر رہے تھے محمد علی جناح کی موت و حیات کے حوالے سے ان کی ہمشیرہ فاطمہ جناح نے ایک کتاب 'مائی برادر' یعنی میرا بھائی' لکھی، لیکن اشاعت سے قبل اس کے چند صفحے غائب ہو گئے۔ یہ کارنامہ قائداعظم اکادمی کے روح رواں جناب شریف المجاہد نے انجام دیا تھا۔

ہم نے جب شریف صاحب سے اس سلسلے میں بات کی تو انہوں نے کہا کہ چوں کہ یہ صفحات نظریہ پاکستان کے خلاف تھے اس لیے ہم نے کتاب سے حذف کردیے اور ان کو اپنے اس عمل پر نہ تب کوئی افسوس تھا، اور نا ہی آج ہے!

جب ہم نے انہیں بتایا کہ یہ صفحات تو قدرت اللہ شہاب نے اپنی کتاب 'شہاب نامہ' مطبوعہ 1988ء میں چھاپ دیے ہیں، تو انہوں نے کہا کہ مواد حذف کروانے میں قدرت اللہ شہاب نے بنیادی کردار ادا کیا تھا۔

آیئے اب ان صفحات پر نظر ڈالتے ہیں؛

پہلا واقعہ جولائی 1948ء کا ہے، جب قائداعظم علالت کی وجہ سے علاج اور آرام کیلئے زیارت میں تشریف رکھتے تھے۔ محترمہ مس فاطمہ جناح نے لکھا ہے کہ جولائی کے آخر میں ایک روز وزیراعظم نواب لیاقت علی خان اور سیکریٹری جنرل مسٹر محمد علی اچانک زیارت پہنچ گئے۔

ان کے آنے کی پہلے سے کوئی اطلاع نہ تھی۔ وزیراعظم نے ڈاکٹر الٰہی بخش سے پوچھا کہ قائداعظم کی صحت کے متعلق ان کی تشخیص کیا ہے؟ ڈاکٹر نے کہا کہ انہیں مس فاطمہ جناح نے یہاں بلایا ہے، اس لیے وہ اپنے مریض کے متعلق کوئی بات صرف انہی کو بتا سکتے ہیں۔

نواب صاحب نے زور دیا کہ 'وزیر اعظم کی حیثیت سے میں قائد اعظم کی صحت کے متعلق متفکر ہوں'۔

ڈاکٹر نے ادب سے جواب دیا۔ 'جی ہاں، بے شک۔ لیکن میں اپنے مریض کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں بتا سکتا'۔

جب مس فاطمہ جناح نے قائداعظم کو وزیراعظم کی آمد کی اطلاع دی، تو وہ مسکرائے اور فرمایا؛ 'تم جانتی ہو وہ کیوں آئے ہیں؟ وہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ میری بیماری کتنی شدید ہے اور میں کتنا عرصہ زندہ رہ سکتا ہوں۔ تم نیچے جاؤ اور پرائم منسٹر سے کہہ دو کہ میں انہیں ابھی ملوں گا'۔

مس فاطمہ جناح نے کہا 'اب کافی دیر ہوگئی ہے۔ کل صبح ان سے مل لیں'۔

'نہیں' قائداعظم نے فرمایا۔ 'انہیں ابھی آنے دو، اور بچشم خود دیکھ لینے دو'۔

وزیراعظم آدھے گھنٹے کے قریب قائداعظم کے پاس رہے۔ اس کے بعد جب مس فاطمہ اندر گئیں، تو قائداعظم بے حد تھکے ہوئے تھے۔ انہوں نے کچھ جوس مانگا اور پھر چوہدری محمد علی کو اپنے پاس بلایا۔ سیکریٹری جنرل پندرہ منٹ تک قائداعظم کے ساتھ رہے۔ اس کے بعد مس فاطمہ جناح دوبارہ قائد اعظم کے کمرے میں گئیں اور پوچھا کہ کیا وہ جوس یا کافی پینا پسند کریں گے؟

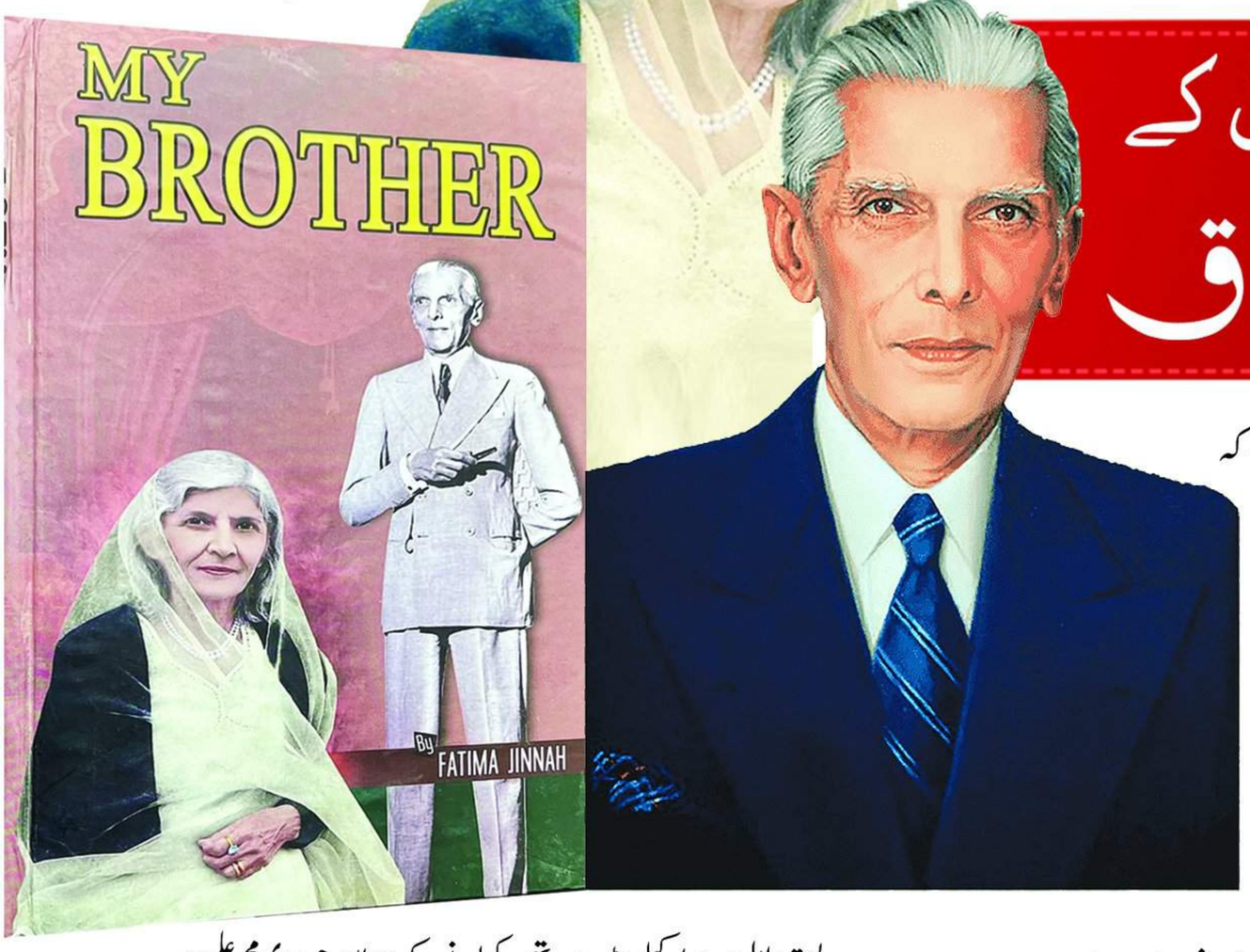
قائداعظم نے جواب نہ دیا، کیونکہ وہ کسی سوچ میں محو تھے۔ اب ڈنر کا وقت آ گیا تھا۔

قائداعظم نے مس فاطمہ جناح سے فرمایا، 'بہتر ہے کہ تم نیچے چلی جاؤ اور ان کے ساتھ کھانا کھاؤ'۔

'نہیں' مس جناح نے اصرار کیا۔ 'میں آپ کے پاس ہی بیٹھوں گی اور یہیں پر کھانا کھالوں گی'۔

'نہیں'، قائداعظم نے کہا، 'یہ مناسب نہیں۔ وہ یہاں پر ہمارے مہمان ہیں۔ جاؤ اور ان کے ساتھ کھانا کھاؤ'۔

مس فاطمہ جناح لکھتی ہیں کہ کھانے کی میز پر انہوں نے وزیراعظم کو بڑے خوشگوار موڈ میں پایا۔ وہ پر مذاق باتیں کرتے رہے، جب کہ مس فاطمہ کا اپنا دل اپنے بھائی کے لیے خوف سے کانپ رہا تھا، جو اوپر کی منزل میں بستر علالت پر اکیلے پڑے تھے۔ کھانے کے دوران چوہدری محمد علی چپ چاپ کسی سوچ میں گم رہے۔ کھانا ختم ہونے سے پہلے ہی مس فاطمہ جناح اوپر چلی گئیں۔ انہوں نے بڑے ضبط سے اپنے آنسوؤں کو روک رکھا تھا۔ قائد اعظم انہیں دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا، 'فطی، تمہیں ہمت سے کام لینا چاہیے'۔



اس واقعے کے دو ڈھائی ہفتے بعد چودہ اگست کو پاکستان کی آزادی کی پہلی سالگرہ آئی۔ اپنی کمزوری صحت کے باوجود یوم پاکستان پر قائداعظم نے قوم کے نام بڑا ولولہ انگیز پیغام جاری کیا۔ مس جناح نے اپنے مسودے میں لکھا ہے کہ یوم پاکستان کے چند روز بعد وزیر خزانہ مسٹر غلام محمد قائداعظم سے ملنے کوئٹہ آئے۔ لنچ کے وقت جب مس فاطمہ جناح ان کے ساتھ اکیلی بیٹھی تھیں تو مسٹر غلام محمد نے کہا، 'مس جناح میں ایک بات آپ کو ضرور بتانا چاہتا ہوں۔ یوم پاکستان پر قائداعظم نے قوم کے نام جو پیغام دیا تھا، اسے خاطر خواہ اہمیت اور تشہیر نہیں دی گئی۔ اس کے برعکس وزیراعظم کے پیغام کے پوسٹر چھاپ کر انہیں نہ صرف شہر شہر دیواروں پر چسپاں کیا گیا ہے، بلکہ ہوائی جہازوں کے ذریعے اسے بڑے بڑے شہروں پر پھینکا بھی گیا ہے'۔

مس جناح نے یہ بات خاموشی سے سن لی کیونکہ اس وقت انہیں اپنے بھائی کی صحت کی فکر تھی، پبلسٹی کی نہیں۔

یہ تھی ان گمشدہ اوراق کی کہانی جو محترمہ فاطمہ جناح کی کتاب 'میرا بھائی' سے حذف کر دیں گئی تھیں۔ پاکستان کی تاریخ میں ایسی بے شمار وارداتیں ہوئی ہیں اور ہماری کوشش ہے کہ ان تمام واقعات کو اصلی شکل میں آپ کی خدمت میں پیش کیا جائے، اگر آپ کے پاس بھی اس قسم کی کوئی معلومات ہوں تو ہمیں ضرور آگاہ کیجیے گا۔



فیلڈ مارشل عاصم منیر کی بطور چیف آف دی ڈیفنس فورسز تعیناتی:

'سب ٹھیک ہے، پاکستان اب اونچی اڑان بھرے گا'



پاکستان کے چیف آف ڈیفینس فورسز اور آرمی چیف فیلڈ مارشل سید عاصم منیر کا کہنا ہے کہ 'پاکستان کی صورتحال بہتر ہو رہی ہے اور ملک اب اوپر کی جانب پرواز کرے گا۔'

جمعرات کو ایوانِ صدر میں کرغستان کے صدر کے اعزاز میں دیے گئے عشائیے میں حکومتی وزرا، مسلح افواج کے سربراہان اور چیف آف ڈیفنس فورسز فیلڈ مارشل عاصم منیر بھی موجود تھے۔ اس عشائیہ میں فیلڈ مارشل کی عاصم منیر کی وہاں موجود صحافیوں سے غیر رسمی گفتگو ہوئی۔

عشائیے میں موجود صحافیوں کے مطابق فیلڈ مارشل نے کہا کہ ملک میں سب ٹھیک ہے 'سب چیزیں بہت واضح ہیں اور پاکستان میں صورتحال میں بہتری آ رہی ہے اور ملک یہاں سے اوپر کی جانب اڑان بھرے گا۔'

یہ فیلڈ مارشل عاصم منیر کے چیف آف ڈیفنس فورسز کے عہدے پر تعیناتی کے بعد اُن کا پہلا بیان ہے جسے پاکستانی ذرائع ابلاغ نے شائع کیا ہے۔

عشائیے میں شریک سنیئر صحافی طارق چوہدری نے بی بی سی کو بتایا کہ فیلڈ مارشل کی صحافیوں سے گفتگو چند سکینڈ پر مبنی تھی۔

پاکستان کے ایوان صدر کی جانب سے جمعرات کو جاری ہونے والی نوٹیفکیشن کے بعد ملک بھر میں گذشتہ کئی روز سے فیلڈ مارشل عاصم منیر کی بطورِ چیف آف ڈیفینس فورسز تعیناتی پر ہونے والی قیاس آرائیوں اور افواہیں دم توڑ گئی ہیں۔

جمعرات کو وزیراعظم پاکستان کی جانب سے ارسال کی گئی سمری کے بعد صدر آصف علی زرداری نے فیلڈ مارشل عاصم منیر کی بطور چیف آف آرمی سٹاف اور چیف آف ڈیفنس فورسز تعیناتی کی منظوری دے دی تھی۔

چیف آف ڈیفنس فورسز اور آرمی چیف کی مدت ملازمت کب تک ہے؟

ایوانِ صدر سے جاری اعلامیے کے مطابق آرمی چیف فیلڈ مارشل عاصم منیر کی مدتِ ملازمت پانچ سال ہے۔

اس نوٹیفکیشن کے اجرا کے بعد فیلڈ مارشل عاصم منیر کی مدتِ ملازمت 2030 میں ختم ہوگی۔

نوٹیفکشن کا اجرا 4 دسمبر 2025 کو ہوا ہے اور اس کے مطابق فیلڈ مارشل عاصم منیر آئندہ پانچ سال تک پاکستان کے چیف آف ڈیفینس فورسز اور آرمی چیف ہوں گے۔

جنرل عاصم منیر کو نومبر 2022 میں چیف آف آرمی سٹاف تعینات کیا گیا تھا۔

لیکن پھر پاکستان کے آرمی ایکٹ میں تبدیلی کے بعد آرمی چیف کی مدتِ ملازمت تین سال سے بڑھا کر پانچ سال کر دی تھی۔ جس کے تحت بطورِ آرمی چیف اُن کی مدتِ ملازمت نومبر 2027 میں ختم ہونا تھی۔

اب 27 ویں ترمیم کے بعد آرمی چیف کے پاس چیف آف ڈیفینس فورسز کا اضافی

عہدہ بھی ہے اور نوٹیفکیشن کے تحت وہ آئندہ پانچ سال کے لیے چیف آف ڈیفینس فورسز اور آرمی چیف ہوں گے۔

وزیراعظم نے فیلڈ مارشل عاصم منیر کو ان کی تعیناتی پر مبارکباد دیتے ہوئے کہا کہ 'ملک کا دفاع مزید بہتر ہوگا اور یہ جدید عصری تقاضوں کی ہم آہنگ ہے۔'

انھوں نے کہا کہ 'پاکستان کے دفاع ترقی اور خوشحالی کے لیے تمام ادارے مل کر کام کریں گے۔'



نوٹیفکیشن میں تاخیر کیوں ہوئی؟

27 نومبر کو جب جنرل ساحر شمشاد مرزا پاکستان کی افواج کے جوائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی کے عہدے سے ریٹائر ہوئے تو امید کی جا رہی تھی کہ وفاقی حکومت کی جانب سے اس عہدے کے متبادل کے طور پر چیف آف ڈیفینس فورسز کی تعیناتی کا نوٹیفکیشن جاری کرے گی

تاہم سوشل میڈیا پر مختلف طرح کی افواہیں گردش کرنے لگی تھیں۔

پاکستان کے وزیرِ مملکت برائے داخلہ طلال چوہدری کا کہنا ہے کہ چیف آف ڈیفینس فورسز کے نوٹیفیکشن کے اجرا کے معاملے پر ہونی والی قیاس آرائیاں 'بلا جواز' تھیں۔

جمعرات کو جیو نیوز کے پروگرام 'آج شاہزیب خانزادہ کے ساتھ' میں طلال چوہدری نے کہا کہ 'کہیں کوئی مسئلہ نہیں تھا۔'

انھوں نے کہا کہ 'حکومت نے پہلے دو تہائی اکثریت سے آئینی ترمیم منظور کی، قوانین میں ترمیم اور رولز بنائے اور یہ ایک پورا عمل ہے اور سب کچھ رولز کے مطابق ہوا ہے۔'

وزیرِ مملکتِ نے کہا کہ 'اس سلسلے میں ایک نیا سیکریٹریٹ بنا ہے، اس لیے کچھ وقت لگا۔'

تحریک انصاف کی قیاس آرائیوں کے حوالے سے انھوں نے کہا کہ 'ماضی کے برعکس موجودہ حکومت اور فوج کا تعلق بہتر ہے اور یہ تعلق ذاتی مفاد کی بنیاد پر نہیں ہے۔'

وزیرِ مملکت برائے داخلہ نے کہا کہ 'فوج اور حکومت کے اس اتحاد سے پاکستان میں استحکام آیا ہے۔'

'انڈیا سے کسی قسم کا کوئی خطرہ ہے'

پاکستان میں سول ملٹری تعلقات کی بہتری کو عموماً ملک میں استحکام کی ضمانت سمجھا جاتا ہے۔

اس حوالے سے سینئر صحافی حامد میر کا کہنا ہے کہ 'تاریخی طور پر پاکستان کی سیاسی حکومتوں نے ہمیشہ یہی کوشش کی ہے کہ آرمی چیف اپنی مرضی کا لگائیں جو انھیں فائدہ پہنچائے لیکن اکثر یہ تعلق اختلاف پر ختم ہوا ہے۔'

بی بی سی سے بات کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ 'حکومت نے آئین میں جو حالیہ ترمیم کی ہے اس سے پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ نواز کو سیاسی فائدہ ہوا ہے لیکن ملک اور ادارے کمزور ہوئے ہیں۔'

حامد میر نے کہا کہ 'اس تعیناتی کے بعد تو بظاہر ایسا لگتا ہے کہ تحریک انصاف کے ساتھ کھلی جنگ شروع ہوگئی ہے۔' یاد رہے کہ سابق وزیراعظم عمران خان بارہا موجودہ آرمی چیف فیلڈ مارشل کو تنقید کا نشانہ بنا چکے ہیں۔

حامد میر نہیں سمجھتے کہ اس تعیناتی سے ملک میں استحکام آئے گا بلکہ اُن کے بقول 'یہ لڑائی اب ملک سے باہر نکل گئی ہے۔'

حامد نے میر نے کہا کہ 'امریکہ میں موجود پاکستان مخالف لابی عمران خان کے معاملے کو بار بار اُٹھا کر پاکستان کو نقصان پہنچانا چاہتی ہے اور امریکی سینیٹرز نے پاکستان پر پابندیاں لگانے کا مطالبہ کیا ہے۔'

تاہم حامد میر نے کہا کہ 'فوج اور سکیورٹی کمانڈ میں ہونی والی حالیہ تقرریاں یہ ظاہر کرتی ہیں کہ حکومت کو اب بھی انڈیا سے کسی قسم کا کوئی خطرہ ہے اسی لیے فیلڈ مارشل عاصم منیر کو چیف آف دی ڈیفینس فورسز کا عہدہ دیا گیا ہے اور ائیر چیف کی مدتِ ملازمت میں بھی توسیع کی گئی ہے۔'

سوشل میڈیا پر تبصرے

پاکستان کے سوشل میڈیا پر بھی فیلڈ مارشل عاصم منیر ہی ٹرینڈ کر رہے ہیں۔ کچھ صارفین اسے غیر معمولی تعیناتی قرار دے رہے ہیں تو کچھ اس کے پاکستان کی سیاست پر ہونے والے اثرات پر بات کر رہے ہیں۔

سوشل میڈیا سائٹ ایکس پر ایک صارف عمر اظہر نے عاصم منیر کی 2030 تک بطورِ چیف آف ڈیفینس فورسز تعیناتی کو 'غیر معمولی' قرار دیا۔

انھوں نے کہا کہ 'اس پہلے کبھی کسی حاضر سروس آرمی چیف کو آئینی طور نہ تو استثنیٰ ملا ہے اور نہ ہی کبھی اُن کی مدتِ ملازمت میں ایسی توسیع ہوئی کہ تین سال کی مدت پوری کرنے کے بعد انھیں پانچ سال مل جائیں۔'

انھوں نے لکھا 'جس وقت وہ ریٹائر ہوں گے وہ پاکستان کی تاریخ میں سب زیادہ طویل مدت تک اس عہدے پر رہنے والے آرمی چیف ہوں گے۔'

ایک صارف نے لکھا کہ 'یہ دیکھنا تو آسان ہے کہ سیاسی محاذ پر پانچ سال کے لیے یقینی صورت حال ہے لیکن کیا اس کی وجہ سے معاشی استحکام اور ترقی بھی آئے گی؟ کیا حکومت کے پاس اب ایک جامع، عوام دوست اور ترقی کی جانب گامزن کرنے والی حکمت عملی بنانے اور اس پر عملدرآمد کے لیے وقت اور جگہ ہوگی؟'

صحافی فہد حسین نے لکھا کہ 'سی ڈی ایف کا نوٹیفکیشن آنے کے بعد اس ہفتے پاکستان کی ٹاک شوز بہت بورنگ ہونے والے ہیں۔'

اینکر پرسن حامد میر نے بھی لکھا کہ 'یہ باب ختم ہوگیا ہے۔' ایکس پر جاری بیان میں انھوں نے کہا کہ پاکستان کی '78 سالہ تاریخ میں دو مرتبہ ائیر چیفس کو دو فوجی آمروں نے ایکسٹینشن دی تھی۔ فیلڈ مارشل ایوب خان نے ائیر مارشل اصغر خان کو جبکہ جنرل ضیاء الحق نے ائیر مارشل محمد انور شمیم کو ایکسٹینشن دی تھی۔'

جمعرات کو ایوانِ صدر نے چیف آف ایئر سٹاف ائیر چیف مارشل ظہیر احمد بابر سدھو کی مدت ملازمت میں دو سال کی توسیع کی سمری بھی منظور کر لی ہے۔

اُن کی اس توسیع کا اطلاق ان کی موجودہ پانچ سالہ مدت ملازمت کے مارچ 2026 میں مکمل ہونے پر ہوگا۔



کراچی میں بچے کی گٹر میں گر کر ہلاکت

میئر کراچی اہل خانہ سے معافی کے طلبگار

اسسٹنٹ کمشنر سمیت متعدد افسران معطل



کراچی میں تین سالہ بچے ابراہیم کی کھلے گٹر میں گر کر ہلاکت کے واقعے کے بعد جہاں شہر کے میئر کی جانب سے بچے کے اہلخانہ سے معافی مانگی گئی ہے وہیں اسسٹنٹ کمشنر اور کراچی میونسپل کارپوریشن کے سینیئر ڈائریکٹر سمیت متعدد افسران کو معطل کر دیا گیا ہے۔

بچے کی گٹر میں گر کر ہلاکت کا واقعہ اتوار کو گلشن اقبال کے علاقے میں پیش آیا تھا اور ایک نجی ڈیپارٹمنٹل سٹور کے سامنے مین ہول میں گرنے والے بچے کی لاش تقریباً 15 گھنٹے بعد کئی سو میٹر دور ایک کھلے گٹر سے ملی تھی۔

کراچی کے میئر مرتضیٰ وہاب بدھ کی شب ابراہیم کے گھر پہنچے اور اہلخانہ سے تعزیت کی۔ اس موقعے پر مرتضیٰ وہاب نے میڈیا سے بات کرتے ہوئے کہا کہ وہ اس واقعے کی ذمہ داری لیتے ہیں اور بچے کے گھر والوں سے معافی چاہتے ہیں۔

ان کا کہنا تھا کہ غم کی اس گھڑی میں وہ الزامات کی سیاست میں نہیں جائیں گے اور یہ کہ 'جس طرح کا ردعمل ہونا چاہیے تھا وہ نہیں تھا'۔

میئر کراچی کے اس دورے کے بعد بدھ کی شب کے ایم سی کے سینیئر ڈائریکٹر میونسپل سروسز عمران راجپوت، ٹاؤن میونسپل کارپوریشن گلشن اقبال کے اسسٹنٹ انجینئر راشد فیاض، کراچی واٹر اینڈ سیوریج کارپوریشن کے ایگزیکٹو انجینئر وقار احمد، اسسٹنٹ کمشنر گلشن اقبال عامر علی شاہ اور تحصیل دار گلشن اقبال سلمان فارسی کی معطلی کا نوٹیفیکشن جاری کر دیا گیا۔

ادھر اس واقعے کی عدالتی تحقیقات کے لیے سابق رکن قومی اسمبلی عالمگیر خان نے جمعرات کو سندھ ہائی کورٹ میں درخواست بھی دائر کی ہے جس میں میئر کراچی کے علاوہ شہر کے 25 ٹاؤنز کے چیئرمینز کو بھی فریق بنایا گیا ہے۔

عالمگیر خان نے درخواست میں مؤقف اختیار کیا ہے کہ ابراہیم کی ہلاکت کے واقعے کی سیشن جج کے ذریعے تحقیقات کروائی جائیں تاکہ ذمہ داروں کا تعین ہو سکے۔ عدالت نے اس درخواست پر پانچ دسمبر کی تاریخ مقرر کرتے ہوئے متعلقہ اداروں سے کھلے مین ہولز کا تمام ریکارڈ مانگ لیا ہے۔

خیال رہے کہ کراچی کی میونسپل کارپوریشن کی جانب سے ابتدائی رپورٹ میں اس حادثے کا ذمہ دار بی آر ٹی ریڈ لائن حکام اور سٹور کی انتظامیہ دونوں کو قرار دیا گیا تھا۔

کے ایم سی میونسپل سروسز ڈپارٹمنٹ کی جانب سے سندھ حکومت کو جمع کرائی گئی رپورٹ میں بتایا گیا تھا کہ میئر کراچی اور میونسپل کمشنر کی ہدایت پر کے ایم سی نے ریسکیو آپریشن شروع کیا، جس میں دو ایکسکیویٹرز، میونسپل اہلکار اور میونسپل پبلک ہیلتھ کا عملہ شامل تھا۔ طویل تلاش کے بعد بچے کی لاش سرسید انجینئرنگ یونیورسٹی کے قریب ایک لنک نالے سے برآمد ہوئی۔

رپورٹ میں بتایا گیا کہ جائے وقوعہ کے معائنے سے معلوم ہوا کہ بی آر ٹی ریڈ لائن کی جاری تعمیراتی سرگرمیوں سے نیپا سے عزیز بھٹی پارک تک کے ڈرینیج سسٹم کو 'شدید نقصان اور خلل' پہنچا ہے۔

رپورٹ میں بتایا کہ ڈرین کے مختلف مقامات پر 2×2 فٹ کے عارضی کنکریٹ کور رکھے گئے تھے، جو کے ایم سی کے مطابق کسی بھی صورت اس کا مروجہ طریقہ کار نہیں ہے اور انھی عارضی کورز میں سے ایک چیز سٹور کے سامنے مبینہ طور پر موجود نہیں تھا، جو اس حادثے کا سبب بنا۔

رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ بی آر ٹی حکام نے ڈرین کی کھدائی اور تعمیراتی کام شروع کرنے سے قبل کے ایم سی کو نہ تو باقاعدہ طور پر آگاہ کیا اور نہ ہی کوئی کلیئرنس حاصل کی۔

کے ایم سی کے حکام کے مطابق یہ المناک واقعہ 'بی آر ٹی حکام اور چیز سٹور کی انتظامیہ دونوں کی غفلت' کا نتیجہ ہے، کیونکہ دونوں میں سے کسی نے بھی کھلے ڈرین کو محفوظ بنانے کے لیے مناسب اقدامات نہیں کیے۔

دوسری جانب بی آر ٹی ریڈ لائن منصوبے کے ترجمان نے ایک اعلامیے میں حادثے کے منصوبے کے ساتھ کسی بھی قسم کے تعلق کو سختی سے مسترد کر دیا۔

کراچی میٹروپولیٹن کارپوریشن (کے ایم سی) کو بھیجے گئے خط میں بتایا گیا ہے کہ ہلاک ہونے والا بچہ، ابراہیم، سٹور کے پارکنگ ایریا میں موجود پرانے سیوریج کے مین ہول میں گرا تھا، جو بی آر ٹی ریڈ لائن کے دائرہ اختیار میں نہیں آتا۔

خط میں واضح کیا گیا ہے کہ حادثے کا مقام بی آر ٹی ریڈ لائن کے تعمیراتی کاموں سے 'خاصے فاصلے' پر ہے اور اس جگہ نہ کھدائی، نہ بیریکیڈنگ اور نہ ہی کسی قسم کا تعمیراتی سرگرمی بی آر ٹی کے تحت ہوئی۔ خط کے مطابق یہاں تک کہ سڑک کی موجودہ تعمیر بھی بالکل محفوظ اور برقرار ہے۔

بی آر ٹی انتظامیہ نے مزید کہا کہ منصوبے کا اس علاقے کی سیوریج یا نالہ سسٹم کی انتظامی، عملی یا دیکھ بھال کی کوئی ذمہ داری نہیں بنتی۔

بی آر ٹی ریڈ لائن نے مؤقف اختیار کیا ہے کہ منصوبے کے تمام تعمیراتی کام متعلقہ اداروں سے این او سی حاصل کرنے کے بعد ہی شروع کیے جاتے ہیں اور ایشیائی ترقیاتی بینک کے مقرر کردہ حفاظتی اصولوں کے مطابق سخت نگرانی میں انجام پاتے ہیں۔

بلائنڈ آپریشن

کراچی میں ایک تین سالہ بچے کی گٹر میں گرنے کے بعد ہلاکت نے ایک جانب جہاں پاکستان کے سب سے بڑے شہر میں مقامی حکومتوں پر سوالات اٹھائے ہیں وہیں ایک بڑا سوال یہ بھی ہو رہا ہے کہ اس بچے کی تلاش میں اتنی دیر کیوں لگی؟

بی بی سی نے اس حوالے سے سندھ حکومت کے زیر انتظام ریسکیو انتظامیہ سے بات کی اور یہ جاننے کی کوشش کی کہ اس بچے کو جلد کیوں نہیں تلاش کیا جا سکا، اس کام میں اتنی تاخیر کیوں ہوئی اور ایسے واقعات میں کیا مشکلات درپیش ہوتی ہیں۔

سندھ حکومت کے زیر انتظام 1122 کے ترجمان حسان الحسیب کا کہنا ہے کہ 'بغیر نقشوں اور کوآرڈینیشن کے وہ بلائنڈ آپریشن کرتے ہیں'۔

بی بی سی سے بات کرتے ہوئے انھوں نے بتایا کہ 'گہرے پانی میں ریسکیو کی ایس او پی کے تحت رات کی تاریکی میں آپریشن نہیں ہوتا اور اگر سنہری لمحات کھو دیں تو بچنے کے امکانات کم ہو جاتے ہیں، یہاں بھی یہ ہی صورتحال تھی'۔

انھوں نے ایک اور انکشاف یہ بھی کیا کہ 'کراچی میں ایسے واقعات میں سب سے بڑی مشکل مین ہولز اور ڈرینج کے بلیو پرنٹس یعنی نقشوں کی عدم دستیابی ہوتی ہے جو ان کے مطابق متعلقہ محکمے فراہم نہیں کرتے ہیں'۔

'اس وجہ سے معلوم نہیں ہوتا کہ گٹر کا بہاؤ کس طرف ہے، جہاں لوگ کہہ رہے ہوتے ہیں وہاں تلاش کی جا رہی ہوتی ہے'۔

ان کا کہنا تھا کہ اس کے علاوہ مختلف سیاسی ادوار میں مین لائنوں سے دیگر لائنیں منسلک کر دی گئیں ہیں۔ 'جب ٹاؤن انتظامیہ تبدیل ہوتی ہے تو انھیں بھی معلوم نہیں ہوتا جس سے پریشانی مزید بڑھ جاتی ہے، اس صورتحال میں یہ سارا بلائنڈ سرچ آپریشن ہوتا ہے'۔

حسان الحسیب کہتے ہیں کہ 'پنجاب میں سارا آپریشن کوآرڈینیشن سے ہوتا ہے جس میں تمام متعلقہ محکمے موجود ہوتے ہیں لیکن کراچی میں ایسا نہیں'۔

وہ کہتے ہیں کہ 'ہیوی مشینری ہمارے پاس نہیں ہوتی جو ضلعی انتظامیہ یا میونسپل کارپوریشن یا ٹاؤن انتظامیہ فراہم کرتی ہے۔ گزشتہ روز بی آر ٹی پراجیکٹ کی مشینری کرائے پر حاصل کی گئی۔ اس کے بعد ایک این جی او نے اس کو ہائر کیا'۔

حسان الحسیب کے مطابق مشتعل ہجوم بھی ایک بڑی رکاوٹ ہوتا ہے۔ 'گزشتہ روز بھی پولیس، رینجرز اور میڈیا پر پتھراکیا گیا اس صورتحال میں سٹاف خوفزدہ ہوتے ہیں'۔

بچے کی لاش کس نے نکالی؟

تین سالہ بچے کی لاش وقوعہ کی جگہ سے چند سو میٹر کے فاصلے پر سرسید یونیورسٹی کے قریب موجود ایک اور کھلے گٹر سے ملی۔

ہنگامی امداد کے سرکاری ادارے ریسکیو 1122 کی جانب سے چیف آپریٹنگ افسر کا ایک اعلامیہ جاری کیا گیا جس میں دعویٰ کیا گیا کہ واٹر ریسکیو ٹیم نے مسلسل سرچ آپریشن کے بعد لاش نکالی ہے۔

تاہم سوشل میڈیا پر موجود کئی ویڈیوز میں اس دعویٰ کو مسترد کیا جا رہا ہے۔

گلشن اقبال ٹاؤن کے کونسلر کبیر احمد، جن کا تعلق جماعتِ اسلامی سے ہے، نے اپنی ویڈیو میں دکھایا کہ کراچی پولیس کے ایک ڈی ایس پی نیلے رنگ کے کپڑوں میں ملبوس ایک نوعمر نوجوان کو شاباش دے رہے ہیں۔

ویڈیو میں دعویٰ کیا جا رہا ہے کہ اس نوجوان نے گٹر سے بچے کی لاش نکالی ہے۔

اس نوجوان تنویر کا کہنا تھا کہ اس نے گٹر سے بچے کو نکالا تو اس کی سانسیں نہیں چل رہی تھیں۔ نوجوان کا کہنا ہے کہ اس نے بچے کو وہاں موجود ایک شخص کے حوالے کیا۔

تاہم جب ریسکیو انتظامیہ کے حسان الحسیب سے یہ سوال کیا گیا تو انھوں نے اس دعوے کو مسترد کیا۔

ان کے مطابق 'پانی کا بہاؤ معلوم کرنے کے لیے ایک رنگین بال گٹر میں پھینکی جاتی ہے۔' وہ کہتے ہیں کہ 'کے ایم سی، ڈی ایم، ایدھی، چھیپا اور دیگر رضا کاروں کو گٹروں پر کھڑا کیا جاتا ہے تاکہ وہ نگرانی کریں اور اس کا رخ دیکھیں۔'

انھوں نے دعویٰ کیا کہ 'جس جگہ ریسکیو آپریشن کیا جا رہا تھا، اس سے تھوڑی دور موجود رضا کاروں نے گٹر میں بچے کی ٹانگ دیکھی لیکن انھوں نے خود اسے نہیں نکالا اور وہاں موجود کچرا چننے والے بچے سے کہا کہ وہ نکالے۔'

حسان کہتے ہیں کہ 'ان سے یہ کوتاہی ہوئی۔ اس کے بعد وہاں ایک سوزوکی موجود تھی، اس میں لاش ڈال کر وہاں لائے جہاں آپریشن ہو رہا تھا۔'

انہوں نے بتایا کہ ان کے کنٹرول روم میں 34.10 پر اطلاع آئی، 'تین منٹ میں 37.10 پر وہاں ایمبولینس پہنچی اور 56.10 منٹ پر ڈرائیور نیچے اتر چکا تھا۔'

اس سلسلے میں ایدھی کے ترجمان نے بتایا کہ ان کے غوطہ غور نے لاش ایدھی ایمبولینس میں ہسپتال پہنچائی۔

یاد رہے کہ کراچی کے جس علاقے میں یہ واقعہ پیش آیا وہاں بی آر ٹی ریڈ لائن منصوبے کا کام جاری ہے جس کی وجہ سے مرکزی سڑک ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔

ذمہ دار کون ہے؟

تین سالہ بچے کے گٹر میں گرنے کے واقعے کے بعد ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے جماعتِ اسلامی کے امیر حافظ نعیم الرحمٰن نے دعویٰ کیا کہ یہ پہلی مرتبہ نہیں کہ کسی کی گٹر میں گر کر موت ہوئی ہے۔ 'اس سے قبل بھی اس قسم کے درجنوں واقعات ہو چکے ہیں اور واٹر اور سیوریج بورڈ اس کا ذمہ دار ہے۔'

فلاحی ادارے ایدھی ویلفیئر کے اعداد و شمار کے مطابق رواں سال کے 11 مہینوں میں اتوار کے روز ہلاک ہونے والے تین سالہ بچے سمیت اب تک 23 افراد گٹروں اور نالوں میں گر کر ہلاک ہوئے ہیں۔ ہلاک ہونے والوں میں سے آٹھ بچوں کی عمریں 10 سال سے کم تھیں۔

حافظ نعیم الرحمٰن کا مزید کہنا تھا کہ اختیارات اور فنڈز کی کمی کے باوجود بھی جب جماعتِ اسلامی اپنے محدود وسائل کے ساتھ ٹاؤنز میں کام کرتی ہے تو 'یہ پوچھتے ہیں کہ یہ پیسے کہاں سے آئے۔'

مرتضیٰ وہاب کا جماعتِ اسلامی کی جانب تنقید کا جواب دیتے ہوئے کہنا تھا کہ 'ڈھکن لگانے کے لیے کوئی اختیار چاہیے؟'

انھوں نے دعویٰ کیا کہ جماعتِ اسلامی نے ایک مہم چلائی تھی کہ انھوں نے نئے جدید ترین ڈھکن بنوا لیے ہیں۔ 'یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جب کوئی اچھی چیز آتی ہے تو کہتے ہیں ہم نے کیا ہے، جب کچھ برا ہوتا ہے کہ تو کہتے ہیں کہ اس کا ذمہ دار وہ ہے۔'

مرتضیٰ وہاب

کراچی کے میئر مرتضیٰ وہاب کا کہنا ہے کہ ایک سال کے دوران 88 ہزار گٹر کے ڈھکن فراہم کیے گئے ہیں جن میں سے 55 فیصد مقامی یونین کونسلز کے چیئرمین کو دیے گئے تھے۔

انھوں نے کہا کہ 'یہ ممکن ہی نہیں کہ اتنے مصروف سٹور کے سامنے موجود گٹر پر کئی روز سے ڈھکن نہ ہو۔'

میئر کراچی کا کہنا تھا کہ انھوں ڈی سی کو حکم دیا ہے کہ وہ 'سی سی ٹی وی فوٹیج حاصل کر کے یہ معلوم کریں کہ یہ ڈھکن کب سے غائب تھا۔'

مرتضیٰ وہاب نے دعوی کیا کہ واٹر اینڈ سیوریج بورڈ کے شکایتی سیل کے پاس بھی اس ڈھکن کے حوالے سے کوئی شکایت نہیں آئی۔

یاد رہے کہ کراچی میں مقامی حکومتوں کا انتظام تین سطحوں پر مشتمل ہے جس میں پہلی سطح یونین کونسل، دوسری سطح ٹاؤن اور تیسری کراچی میٹروپولیٹن کارپوریشن یعنی کے ایم سی ہے۔ مین ہولز اور نالوں کی مرمت اور صفائی کے ایم سی کی ذمہ داری ہے۔

تاہم کراچی واٹر اینڈ سیوریج کارپوریشن نے ایکس پر وضاحتی بیان جاری کیا ہے کہ گلشن اقبال میں نیپا پل کے نزدیک جس مقام پر بچے کے ڈوبنے کا واقعہ پیش آیا وہاں واٹر کارپوریشن کا کوئی سسٹم موجود نہیں۔ 'نہ ہی اس مقام پر سیوریج کی لائن ہے اور نہ ہی واٹر کارپوریشن کا کوئی مین ہول واقع ہے۔'

بیان میں کہا گیا ہے کہ برساتی نالوں کی مرمت، دیکھ بھال اور صفائی کے امور واٹر کارپوریشن کے دائرہ اختیار میں شامل نہیں ہیں۔

سندھ کے وزیرِ اطلاعات شرجیل انعام میمن نے صوبائی اسمبلی



میں بات کرتے ہوئے کہا کہ یہ بچہ کسی کا بھی ہو سکتا تھا، یہ واقعہ کہیں بھی، کسی کے بھی ساتھ ہو سکتا تھا۔

ان کا کہنا تھا کہ وہ اس بحث میں نہیں پڑے گے کہ 'وہاں کونسلر کس کا ہے، ٹاؤن چیئرمین کس کا ہے۔ مجھے افسوس ہوتا ہے کہ ایسے موقع پر ہم ایک دوسرے پر الزام لگانا شروع کر دیتے ہیں۔'

انھوں نے مجرمانہ غفلت قرار دیتے ہوئے کہا کہ 'جس کی ذمہ داری تھی اور اس نے نہیں کیا تو اس کو سزا ملنی چاہیے، چاہے وہ کوئی بھی ہو۔'

'یہ شہر اپنے ہی باسیوں کے رہنے کے قابل نہیں رہا'

کراچی میں ایک ڈیمپارٹمنٹل سٹور کے سامنے گٹر میں گر کر تین سالہ بچے کی ہلاکت کے بعد سوشل میڈیا پر لوگ بلدیاتی اداروں اور شہری انتظامیہ کی کارکردگی پر سوال اٹھاتے نظر آ رہے ہیں۔

سوشل میڈیا ویب سائٹ ایکس پر ثاقب جاوید نامی صارف لکھتے ہیں کہ 'یہ کوئی حادثہ نہیں، جرم ہے۔'

'جو عہدیدار اس مین ہول کو ڈھانپنے میں ناکام رہے تھے، ان کے ہاتھوں پر خون ہے۔ مزید کتنے بچوں کی اموات کے بعد اس نظام کا احتساب ہوگا؟'

ایک اور صارف کا کہنا ہے کہ چند ہفتوں قبل جب خاتون اداکار صبا قمر نے کراچی کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا تو سب کو بہت غصہ آیا تھا۔ 'یہ شہر اپنے ہی باسیوں کے لیے رہنے کے قابل نہیں رہا ہے۔'

صحافی فیضان لکھانی ایک پر لکھتے ہیں کہ کراچی میں کھلے مین ہول میں گر کر ایک بچہ ہلاک ہو گیا اور کراچی کے رہنما ہونے کا دعویٰ کرنے والے سیاستدان ایک دوسرے پر الزامات لگانے میں مصروف ہیں۔

'لیکن سچ سیدھا ہے: اگر یو سی سے لے کر کے ایم سی تک ہر کوئی اپنا



کام صحیح طریقے سے کرتا تو کراچی کی یہ حالت نہ ہوتی۔ ان سب کو ایک دوسرے پر الزام تراشی کے بجائے اس ناکامی کی ذمہ داری قبول کرنی چاہیے۔'

گٹر کے ڈھکن کیسے غائب ہوتے ہیں؟

سوال یہ ہے کہ یہ گٹروں کے ڈھکن آخر جاتے کہاں ہیں؟ حکام کا کہنا ہے کہ نشے کے عادی افراد لوہا حاصل کرنے کے لیے ڈھکن توڑ دیتے ہیں۔ ماضی میں کراچی میونسپل کارپوریشن کے میئر مرتضیٰ وہاب ان ڈھکنوں کی گمشدگی کا ذمہ دار نشے کے عادی افراد کو قرار دیتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ 'جو نشے کے عادی افراد ہیں، ان کی جگہ جگہ ویڈیوز ملتی ہیں جو سریا نکال رہے ہیں۔ گٹر کے ڈھکن بھی نکال رہے ہوتے ہیں۔ یہ سریا کسی نہ کسی مارکیٹ میں بکتا ہے۔'

وہ کہتے ہیں نشہ کے عادی افراد کے خلاف کریک ڈاون کے بجائے 'حکومت نے ان کباڑیوں کے خلاف آپریشن کیا ہے۔'

شہری منصوبہ بندی کے ماہر محمد توحید بھی مرتضیٰ وہاب کی اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ گٹر کے ڈھکن چوری ہوتے ہیں۔ ان کے مطابق اس کی وجہ یہ ہے کہ 'ان مین ہولز میں سریا اور کنکریٹ استعمال ہوتا ہے۔ چور اس میں سے لوہا نکال کر فروخت کر دیتے ہیں' مگر ان کا خیال ہے کہ 'غیر معیاری میٹریل کی وجہ سے یہ ڈھکن خود بھی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتے ہیں۔'

مگر میئر مرتضیٰ وہاب کہتے ہیں کہ سپلائی اور معیار کا مسئلہ نہیں ہے۔

'مسئلہ یہ ہے کہ ان مین ہول کورز کی رکھوالی کون کرے گا؟ اگر شہری تعاون نہیں کریں گے تو خدشہ ہے کہ سرکار ڈھکن لگاتی رہے گی اور نشئی چوری کرتے رہیں گے۔'

محمد توحید کہتے ہیں کہ 'یہ حقیقت ہے کہ شہر کی اونرشپ نہیں ہے جس میں کمیونٹیز خود نگرانی کرتی ہیں۔' ان کا کہنا ہے کہ 'اگر کسی کے گھر کے سامنے گٹر کا ڈھکن ہے، کوئی نشئی اگر کچھ حرکت کر رہا ہے تو اس کو روکیں کیونکہ حکومت کے لیے ممکن نہیں ہے کہ ہر سطح پر گٹر کے ڈھکنوں کی حفاظت کرے۔'

'حکومتی ادارے عوام کو آگاہ کریں اور شعور دیں۔ اگر آپ کے علاقے میں ڈھکنے لگا دیے ہیں تو یہ اب آپ کی ذمہ داری ہے کہ اس کی دیکھ بھال کریں۔'



تحریر: زاہد علی شاہ

ای چالان کے بانی... پیر محمد شاہ

ڈی آئی جی ٹریفک پیر محمد شاہ کی خاموش مگر فیصلہ کن جدو جہد

کراچی..... یہ شہر جس کی شاہراہیں کبھی نظم و ضبط کی مثال تھیں، وقت کے ساتھ ساتھ ٹریفک جام، بے ہنگم ڈرائیونگ اور روزانہ کے حادثات سے ایسا الجھ گیا کہ شہری سمجھ بیٹھے بی ''یہ مسئلہ اب کسی کے قابو میں نہیں آ سکتا۔'' مگر اسی مایوسی کے درمیان ایک ایسا قدم اٹھا جس نے ٹریفک مینجمنٹ کی تاریخ میں ایک نئی سمت متعین کی۔ یہ قدم تھا ای چالان سسٹم کا آغاز، اور اس کے بانی تھے ڈی آئی جی ٹریفک پیر محمد شاہ۔

اصلاحات مشکل مگر ناممکن نہیں

کراچی جیسے شہر میں ٹریفک کا نظام درست کرنا کسی ایک افسر کے بس کی بات نہیں ہوتا۔ یہاں سیاست بھی ہے، دباؤ بھی اور روزانہ کروڑوں کی نقل و حرکت کا دباؤ بھی۔ لیکن پیر محمد شاہ نے یہ ماننے سے انکار کر دیا کہ ''سسٹم ایسا ہی چلے گا''۔

انہوں نے وہی طریقہ اپنایا جو آج کل کم ہی لوگ اپناتے ہیں بی پہلے مسئلے کو سمجھا، پھر حل ڈھونڈا، اور پھر اس پر ڈٹ کر کھڑے رہے۔

ای چالان کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟

ہر روز ہزاروں موٹر سائیکلیں اور گاڑیاں ٹریفک قوانین توڑتی تھیں۔ آن گراؤنڈ چالان ہوتے بھی تھے مگر:

رشوت،
تلخ بحث،
مزاحمت،
اور افسر۔شہری ٹکراؤ

جیسے مسائل چالان کے عمل کو متاثر کرتے تھے۔ شہریوں کے نزدیک چالان ایک ''سزا'' سے زیادہ ایک ''جھنجھٹ'' تھا۔

پیر محمد شاہ نے یہی سوچ بدلی۔ انہوں نے ٹریفک قوانین کے نفاذ کو جدیدیت کے ساتھ جوڑنے کا فیصلہ کیا تا کہ:

شفافیت آئے،
رشوت ختم ہو،



افسر اور شہری کا براہِ راست ٹکراؤ کم ہو،
اور ریکارڈ خود بخود محفوظ ہوتا رہے۔

یہی وہ سوچ تھی جس نے ای چالان سسٹم کی بنیاد رکھی۔

سیف سٹی کیمروں اور ڈیٹا کی طاقت

ای چالان محض ایک سسٹم نہیں، بلکہ ایک مکمل ڈیجیٹل فریم ورک ہے۔

پیر محمد شاہ نے سیف سٹی کیمروں، گاڑیوں کے رجسٹریشن ڈیٹا اور ٹریفک قوانین کو ایک ہی چین میں جوڑ کر ایک ایسا نظام کھڑا کیا جس میں:

خلاف ورزی ہوتی ہے
کیمرہ ویڈیو ریکارڈ کرتا ہے
نمبر پلیٹ کی شناخت ہوتی ہے
اور چالان براہِ راست گاڑی کے پتے پر جاری ہو جاتا ہے

نہ کوئی بحث،
نہ کوئی ''چلیں جی، چھوڑ دیں'' والی درخواست،
اور نہ ہی افسر پر دباؤ۔

یہ وہ شفافیت تھی جس نے کراچی کے ٹریفک نظام میں ایک نئی روح پھونکی۔

پہلی بار شہریوں نے ٹریفک قوانین کو سنجیدگی سے لیا
ای چالان کے آغاز کے بعد کئی مہینے تک ایک دلچسپ تبدیلی دیکھی گئی
لوگ کیمرے دیکھ کر آہستہ گاڑی چلانے لگے۔
سگنل توڑنے کا رجحان کم ہوا۔
ہیلمٹ نہ پہننے والے موٹر سائیکل سوار بھی محتاط ہو گئے۔
یہ سب کوئی جادو نہیں تھا، بلکہ ایک جدید اور موثر نظام کی تاثیر تھی۔

مخالفت بھی ہوئی..... مگر کام رکا نہیں

کراچی میں تبدیلی لانا ہمیشہ آسان کام نہیں۔

پیر محمد شاہ کو بھی اندرونی مزاحمت، تکنیکی رکاوٹوں اور کچھ حلقوں کی ناراضی کا سامنا کرنا پڑا۔

مگر ان کی خوبی یہ رہی کہ وہ ہر مزاحمت کو دلیل اور مستقل مزاجی سے حل کرتے گئے۔

ان کا انداز یہ نہیں تھا کہ کاغذی تجویز بنا کر فائل آگے بڑھا دیں۔
انہوں نے خود ٹیمیں کھڑی کیں، ٹیسٹ رنز کروائے، اور کمزوریاں دور کیں۔

اسی لیے آج کراچی میں ای چالان نظام ''پائلٹ پروجیکٹ'' سے نکل کر ایک مستقل حقیقت بن چکا ہے۔

ڈیجیٹل پولیسنگ کی طرف پہلا بڑا قدم







پاکستان میں پولیس کے نظام پر اکثر تنقید ہوتی رہی ہے، مگر کراچی میں ای چالان اس بات کی علامت ہے کہ درست سمت میں قدم رکھا جائے تو نظام بدلا جا سکتا ہے۔ پیر محمد شاہ نے اس شہر کو یہ احساس دلایا کہ ٹیکنالوجی صرف سہولت نہیں بی اصلاحِ انتظام بھی فراہم کرتی ہے۔

یہ وہ تبدیلی ہے جو آنے والے برسوں میں مزید ترقی کرے گی اور شاید ایک دن ٹریفک مینجمنٹ مکمل طور پر ڈیجیٹل ہو جائے۔

کریڈٹ وہاں دیں جہاں حق ہے

کراچی میں ای چالان کی بنیاد کا کریڈٹ جس شخصیت کو ملنا چاہیے، وہ ہیں ڈی آئی جی ٹریفک پیر محمد شاہ بی

جنہوں نے خاموشی، مستقل مزاجی اور عملی ذہانت کے ساتھ ایک ایسا نظام کھڑا کیا جس کا فائدہ آج لاکھوں شہری اٹھا رہے ہیں۔

کراچی کے بے لگام ٹریفک میں یہ ایک چھوٹی نہیں، بہت بڑی کامیابی ہے۔



ملیر جیل میں مبینہ کرپشن کا گھناؤنا جال

ٹاور اِن چارج، ڈرائیور، نوٹس..... مگر کارروائی کب ہوگی؟

تحقیقی رپورٹ: سہیل آرائیں

کراچی کی ملیر جیل، جو برسوں سے سنگین مقدمات کے ملزمان اور سزا یافتہ قیدیوں کی رہائش گاہ رہی ہے، ایک بار پھر مبینہ بدعنوانی کے الزامات کی زد میں ہے۔ نظامِ جیل خانہ جات کی مجموعی صحت پہلے ہی سوالیہ نشان بنی ہوئی تھی، مگر حالیہ انکشافات نے اس پورے ڈھانچے کو لرزا کر رکھ دیا ہے۔

باہمی گٹھ جوڑ یا انتظامی غفلت؟

ذرائع کے مطابق ملیر جیل کے ٹاور اِن چارج سعید سومرو عرف مُنی بدنام پر سنگین الزامات سامنے آئے ہیں۔ دعویٰ کیا جا رہا ہے کہ وہ جیل کے اندر منشیات کی ترسیل کے بنیادی کرداروں میں سے ایک ہیں۔ حیران کن بات یہ ہے کہ سپرنٹنڈنٹ ملیر جیل کی جانب سے اس حوالے سے متعدد نوٹس جاری کیے گئے، مگر وہ مبینہ طور پر ''ہوا میں اُڑا دیے گئے'' اور عملی اقدامات کہیں دکھائی نہیں دیے۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ وہ نظامِ جیل کے اندر ''مکمل آزادی'' کے ساتھ سرگرم تھے، جیسے کسی نے ان کے ہاتھ کھینچنے کی کوشش ہی نہ کی ہو۔ سوال یہ ہے کہ ایک ٹاور اِن چارج کو اتنی طاقت کس نے دی؟

ڈرائیور کو ماڑی کا داروغہ کیوں بنایا گیا؟

ایک اور تشویشناک پہلو سامنے آیا ہے کہ سعید سومرو عرف مُنی بدنام نے اپنے ذاتی ڈرائیور رحیم مغل کو جیل کی ''ماڑی'' میں تعینات کر رکھا تھا، جو وہ جگہ جہاں سے قیدیوں اور ملاقات کرنے والوں کی تلاشی ہوتی ہے۔ یہ کوئی معمولی پوسٹ نہیں، بلکہ جیل میں آنے جانے والی ہر چیز، ہر بیگ، ہر پیکٹ اور ہر شخص کی اسکریننگ اسی مقام پر ہوتی ہے۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ یہی وہ جگہ تھی جہاں سے مبینہ طور پر لاکھوں روپے مالیت کی منشیات ''بغیر روک ٹوک'' جیل کے اندر منتقل ہوتی رہی۔ سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایک ڈرائیور کو ایسے حساس کردار پر لگا دینا محض انتظامی غلطی تھی..... یا منظم منصوبہ بندی؟


ٹاور انچارج سعید سومرو



پی سی شہزاد

کیک اسکینڈل..... ایک دبایا ہوا کیس؟

چند ماہ قبل سامنے آنے والا ملیر جیل کا کیک اسکینڈل بھی کچھ کم سنگین نہیں تھا۔ اس میں بھی سعید سومرو عرف مُنی بدنام کا نام سامنے آیا تھا۔ قیدیوں کو سپلائی کیے جانے والے کیکس کے اندر ممنوعہ اشیاء چھپانے کا انکشاف ہوا تھا۔ مگر حیرانی کا مقام ہے کہ اس معاملے پر بھی کوئی باضابطہ محکمانہ یا قانونی کارروائی اب تک سامنے نہ آسکی۔ ایسا لگتا ہے جیسے فائلیں کہیں رک گئیں..... یا رکوا دی گئیں۔

انسدادِ جرم یا جرم کے سہولت کار؟

انسانی حقوق کی تنظیمیں مسلسل کہتی آ رہی ہیں کہ پاکستانی جیلوں میں قیدی ''اصلاح'' کے لیے نہیں، بلکہ ''زندگی برباد'' کرنے کے لیے بھیج دیے جاتے ہیں۔ ایسے میں جب جیل انتظامیہ کے اندر ہی منشیات، بدعنوانی، اقربا پروری اور مالی بے ضابطگیوں کی خبریں عام ہوں تو پھر اصلاحی نظام کی اصل روح کہاں باقی رہ جاتی ہے؟

ایک سینئر سماجی کارکن نے گفتگو میں کہا کہ ''جب جیل کی دیواریں خود جرم کا تحفظ کرنے لگیں تو پھر معاشرہ انصاف کا تصور کھو دیتا ہے۔''

آئی جی جیل خانہ جات اور سندھ حکومت کے لیے بڑا امتحان

قانونی ماہرین، سول سوسائٹی، اور عوامی حلقے یک زباں ہیں کہ معاملہ بہت سنگین ہے اور ''صرف نوٹس'' یا ''صرف کمیٹی'' کافی نہیں ہوگی۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ نگران افسران کے خلاف شفاف اور غیر جانبدار تحقیقات ہوں منشیات کے راستے، سہولت کاروں اور مالی فائدہ اٹھانے والوں کا سراغ لگایا جائے ذمہ دار افسران کو معطل کر کے مکمل سروس ریکارڈ کی جانچ ہو

محکمۂ جیل خانہ جات کے اندرونی احتساب کے نظام کو ازسرِ نو ترتیب دیا جائے ملیر جیل صرف ایک ادارہ نہیں بی یہ معاشرے کی عدالتی ریڑھ کی ہڈی کا حصہ ہے۔ اگر یہاں بدعنوانی مضبوط ہو جائے تو انصاف کا پورا نظام کمزور پڑ جاتا ہے۔

پاکستان میں جیل اصلاحات پر بات تو بہت ہوتی ہے، مگر عملی قدم ہمیشہ کمزور رہے ہیں۔ ملیر جیل کا موجودہ بحران اس بات کی ایک اور یاددہانی ہے کہ اصلاحات محض ایک ''پاور پوائنٹ پریزنٹیشن'' سے آگے بڑھنے کی ضرورت ہے۔ اگر اس بار بھی معاملہ دب گیا، فائلیں بند ہوگئیں، یا معمول کی ''کاغذی انکوائری'' پر اکتفا کر لیا گیا تو پھر آئندہ نسلوں کو ایک ایسا جیل نظام ملے گا جو خود جرم کا حصہ بن چکا ہوگا۔

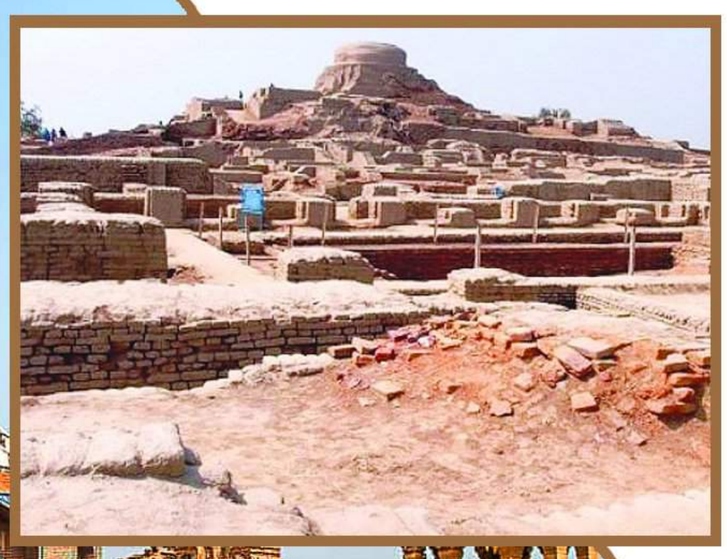
انڈیا کے وزیر دفاع راج ناتھ سنگھ کے پاکستان کے صوبہ سندھ کو 'تہذیبی طور پر ہمیشہ انڈیا کا حصہ' کہنے سے متعلق بیان کو پاکستانی وزارتِ خارجہ نے 'غیر حقیقی، اشتعال انگیز اور خطرناک حد تک تاریخ کو مسخ کرنے کی کوشش' قرار دیا ہے۔

انڈیا کے وزیرِ دفاع نے سابق نائب وزیرِ اعظم لال کرشن اڈوانی کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا کہ انھوں (اڈوانی) نے اپنی ایک کتاب میں لکھا ہے کہ 'سندھی ہندو، بالخصوص اُن کی نسل کے لوگ، آج تک سندھ کو انڈیا سے الگ کرنے کو قبول نہیں کر پائے ہیں۔'

آگے چل کر انھوں نے مزید کہا کہ 'آج شاید سندھ کی سرزمین انڈیا کا حصہ نہ ہو، لیکن تہذیبی طور پر سندھ ہمیشہ انڈیا کا حصہ رہے گا۔ اور جہاں تک زمین کی بات ہے تو سرحدیں بدل سکتی ہیں۔ کیا پتا کل کو سندھ پھر سے بھارت میں واپس آ جائے۔'

انڈیا اور پاکستان کے تعلقات میں اس نئی تلخی کے تناظر میں آیئے





متعدد مذاہب اور سلطنتوں کا حصہ رہنے والا سندھ انڈیا کا حصہ کیوں نہ بنا؟

دیکھتے ہیں کہ تاریخ ہماری کیا رہنمائی کرتی ہے اور تاریخ اور سیاسیات کے ماہرین سندھ کے معاملے پر کیا کہتے ہیں۔

انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا کے مطابق موجودہ صوبہ سندھ کا علاقہ، جو دریائے سندھ کے ڈیلٹا کا حصہ ہے، وادی سندھ کی قدیم تہذیب کا مرکز تھا۔ اس تہذیب کی نمائندگی 'موئن جو دڑو اور کوٹ ڈیجی جیسے مقامات کرتے ہیں۔ یہ ابتدائی تہذیب تقریباً 2300 قبل مسیح سے 1750 قبل مسیح تک موجود رہی۔'

موئن جوداڑو سے بمبئی پریزیڈنسی میں شمولیت تک

برٹینیکا میں لکھا ہے کہ دنیا کی تین اوّلین عظیم تہذیبوں (یعنی میسوپوٹیمیا، مصر اور وادیِ سندھ) میں سے وادیِ سندھ کی تہذیب 'رقبے کے اعتبار سے سب سے زیادہ وسیع تھی۔ یہ تہذیب سب سے پہلے 1921 میں ہڑپہ (پنجاب) میں دریافت ہوئی اور پھر 1922 میں موئن جودڑو (موجودہ سندھ میں دریائے سندھ کے قریب) دریافت ہوئی۔'

سہیل ظہیر لاری اپنی کتاب 'اے ہسٹری آف سندھ' میں لکھتے ہیں کہ یہ تہذیب تقریباً موجودہ پاکستان کے خطے پر پھیلی ہوئی تھی اور جنوب اور مشرق میں موجودہ انڈین صوبوں گجرات، راجستھان اور ہریانہ تک، جبکہ مغرب میں افغانستان تک وسعت رکھتی تھی۔'

وہ بتاتے ہیں کہ گرمیوں میں دریائے سندھ کا پانی سردیوں کے مقابلے میں 16 گنا زیادہ ہو سکتا ہے اور اسی تغیر نے 'منظم آبپاشی اور کاشتکاری کے امکانات کم کر دیے تھے۔ جو علاقے آبپاشی، کاشتکاری اور زرعی بستیوں کے لیے موزوں تھے وہ دراصل چھوٹے دریا تھے۔ اسی لیے ہڑپہ کی تہذیب کی بیشتر بستیاں دریائے سندھ کے مرکزی دھارے سے دور تھیں۔'

'یہ صورتحال اُس وقت تک رہی جب تک ہڑپائی لوگوں نے 2500 قبل مسیح کے آس پاس ایک انقلابی فیصلہ نہ کر لیا: یعنی ہڑپہ اور موئن جودڑو کو پہلے سے طے شدہ نقشے کے مطابق مرکزی شہری مراکز کے طور پر تعمیر کرنا، تاکہ دریائے سندھ کو آمدورفت اور تجارت کے لیے استعمال کیا جا سکے۔'

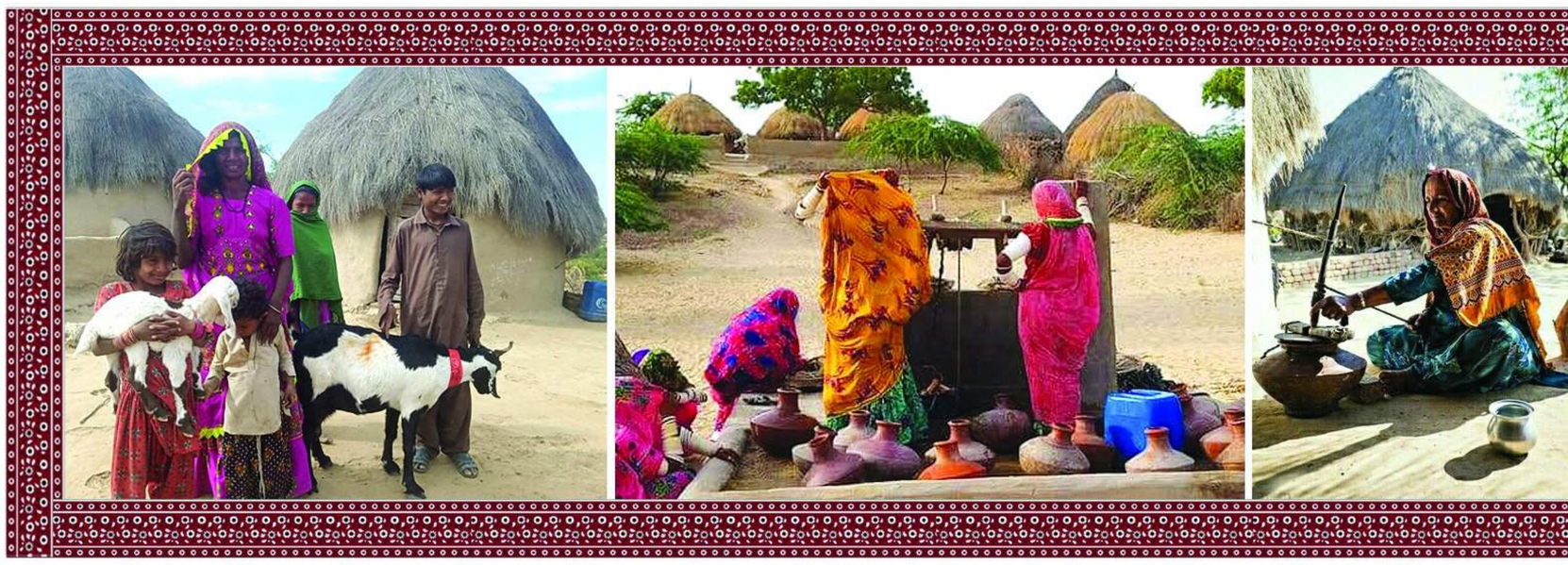
'انتظامی طور پر، اس فیصلے نے دریائے سندھ کے دونوں اطراف آباد ہڑپائی بستیوں کو آبی مواصلات کے جال کے ذریعے باہم جوڑ دیا جو اس خطے میں، جہاں بارشوں اور سیلابوں کے دوران زمین سمندر کی مانند بن جاتی تھی، نقل و حمل کا سب سے موزوں طریقہ تھا۔'

'اس سے ہڑپہ کی تہذیب کو یہ سہولت بھی ملی کہ وہ سمندری ساحل کے ساتھ ساتھ ایک طرف خلیجِ فارس تک اور دوسری طرف دکن کے خطے تک پھیل سکے۔'

برٹینیکا کے مطابق اِس کے بعد تاریخی ریکارڈ میں ایک ہزار سال سے زائد کا وقفہ ہے۔

'پھر سندھ کی (ایرانی) ہخامنشی سلطنت میں شمولیت کا ذکر ملتا ہے، جب دارا اوّل نے چھٹی صدی قبل مسیح کے آخر میں اسے فتح کیا۔'

'تقریباً دو صدی بعد، سکندر اعظم نے 326 اور 325 قبل مسیح میں اس خطے کو فتح کیا۔ اُن کی وفات کے بعد سندھ پر سلوقس اوّل نیکیٹر، چندر گپت موریا (تقریباً 305 قبل مسیح)، پھر تیسری تا دوسری صدی قبل مسیح میں ہند-یونانی اور پارتھی حکمرانوں، اور بعد ازاں پہلی صدی قبل مسیح سے دوسری صدی عیسوی تک سیتھین اور کشان حکمرانوں کا تسلط رہا۔'



'پہلی صدی مسیح میں کُشان دور میں سندھ کی آبادی نے بدھ مت اختیار کر لیا۔ تیسری سے ساتویں صدی تک یہ علاقہ ایرانی ساسانی سلطنت کے زیرِ حکمرانی رہا۔'

برٹینیکا کی تحقیق ہے کہ سنہ 711 میں عربوں کی سندھ میں آمد نے برصغیر میں اسلام کے داخلے کی بنیاد رکھی۔ 712 سے تقریباً 900 تک سندھ اموی اور عباسی سلطنتوں کے صوبہ السند کا حصہ رہا جس کا دارالحکومت موجودہ حیدرآباد سے 72 کلومیٹر شمال میں واقع المنصورہ تھا۔

'خلافت کی مرکزی طاقت کے کمزور پڑنے کے بعد، دسویں سے 16ویں صدی تک السند کے عرب گورنروں نے خطے میں اپنی مقامی اور خاندانی حکمرانی قائم کر لی۔'

'16ویں اور 17ویں صدی میں (1591–1700) سندھ مغلوں کے زیرِ حکومت رہا، جس کے بعد اسے کئی آزاد سندھی ریاستی خاندانوں نے چلایا۔ یہاں تک کہ 1843 میں آخری سندھی حکومت کو برطانوی فوج نے شکست دی۔ اس وقت سندھ کے بیشتر حصے کو بمبئی پریزیڈنسی میں شامل کر دیا گیا۔'

سندھ نے پاکستان کا حصہ بننے کا فیصلہ کیوں کیا؟

بانی پاکستان محمد علی جناح نے اپنے 14 نکات میں سندھ کو بمبئی سے الگ کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔

مسلمانوں کے مطالبے پر برطانوی حکومت نے 1936 میں سندھ کو بمبئی سے علیحدہ کر کے الگ صوبے کا درجہ دیا۔ سنہ 1947 میں قیام پاکستان کے وقت سندھ کو مسلم اکثریتی صوبہ ہونے کی وجہ سے پاکستان کا حصہ بنا دیا گیا۔

محقق اور مصنف ڈاکٹر محمد علی شیخ نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ بدھ مت کے راجا سہاسی دوم کے 28 سالہ دورِ حکومت میں ریاست کے زیادہ تر معاملات اُن کے وفادار برہمن وزیر چچ کے سپرد تھے۔ تقریباً 642

میں چینی زائر ہسوان تسانگ سندھ آئے اور انھوں نے لکھا کہ یہاں 'لاتعداد سٹوپے' اور 'سینکڑوں سنگھارامے جن میں تقریباً دس ہزار راہب رہتے تھے' موجود تھے۔

برطانوی مؤرخ جان کیے اپنی کتاب 'انڈیا اے ہسٹری' میں لکھتے ہیں کہ بدھ مت سندھ کا سب سے غالب مذہب تھا مگر ہندوازم بھی موجود تھا، اور یہاں تقریباً 'تیس ہندو مندر' تھے۔

ساتویں صدی میں سندھ کی سلطنت میں تقریباً پوری وادی سندھ شامل تھی، ماسوائے شمالی حصے کے۔ تخت نشین ہونے کے بعد جب چچ نے فتوحات شروع کیں تو انھوں نے اپنے ملک کی سرحدیں متعین کرنے کا ایک انوکھا طریقہ ایجاد کیا: مختلف خطوں کے مطابق موزوں درخت لگا کر۔

اسی سیاق وسباق میں کیے لکھتے ہیں کہ 'اگر شمال مغرب میں صرف قدیم گندھارا کا علاقہ شامل ہو جاتا تو چچ کی ریاست ایک طرح کا پروٹو پاکستان بن جاتی۔'

مؤرخ اور تاریخ کے استاد ڈاکٹر طاہر کامران کے مطابق وادی سندھ کی تہذیب کا مرکز ومحور وہ علاقہ ہے جو اب پاکستان ہے۔

انھوں نے بی بی سی کو بتایا کہ 'اس میں پنجاب بھی ہے، بلوچستان بھی، خیبر پختونخوا بھی، ٹیکسلا کی تہذیب کے حوالے سے، اور سندھ، موئن جوداڑو وغیرہ۔ یہ مرکز ہے، سرچشمہ ہے، اور یہاں سے وادی سندھ کی تہذیب ابھری اور پھیلی، اور اس کے اثرات گجرات تک گئے۔'

'تہذیبی طور پر یہ علاقہ اگر مجتمع ہے تو یہ بہت ہی فطری سی بات لگتی ہے۔ بہت ہی غیر فطری ہوگا کہ سندھ الگ ہو کر انڈیا کے ساتھ چلا جائے۔ تاریخی طور پر اگر تہذیب کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔'

'سندھ کا مطلب علاقہ یا صوبہ سندھ نہیں ہے، سارا علاقہ ہے جو سندھ طاس تہذیب کا محور ومرکز تھا، جس میں پنجاب ہے، بلوچستان ہے، اور جس میں سندھ بھی ہے۔ اس کی اجتماعی تہذیبی اکائی وہی ہے، جہاں پہ پاکستان بنا ہوا ہے۔ اس مرکز سے جو تہذیبی سوتے پھوٹے، انھوں نے آگے جا کر اپنے اثرات دوسری جگہوں پر مرتسم کیے۔'

ان کی رائے ہے کہ انڈین وزیر دفاع راج ناتھ نے 'بس ایک پُھلجھڑی چھوڑ دی ہے جس کے پیچھے کوئی علمی گہرائی یا گیرائی نظر نہیں آتی ہے۔'

سندھ کے ماہر سیاسیات ڈاکٹر امیر علی چانڈیو کہتے ہیں کہ انڈیا کے وزیر دفاع کا یہ بیان 'سراسر سامراجی ذہنیت کی عکاسی کرتا ہے' اور اس میں واضح طور پر 'قبضہ خوری کی بُو محسوس ہوتی ہے۔'

بی بی سی سے گفتگو میں ان کا کہنا تھا کہ تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالیں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ سندھ 'کبھی ہندوستان یا انڈیا کا حصہ نہیں رہا۔'

'اگر کبھی مختصر عرصے کیلئے مغل سلطنت نے سندھ پر قبضہ کیا بھی، تو سندھی عوام نے اس کے خلاف بھرپور مزاحمت کی۔ شاہ عنایت شہید، جنھیں تاریخ کا پہلا سوشلسٹ صوفی کہا جاتا ہے، نے جاگیردارانہ نظام اور مغل بالادستی — جو اس نظام کی پشت پناہی کر رہی تھی — کے خلاف فیصلہ کن جدوجہد کی۔'

چانڈیو کے مطابق سنہ 1843 میں جب برٹش ایمپائر اور ایسٹ انڈیا کمپنی نے سندھ پر قبضہ کیا، اُس وقت بھی سندھ ایک آزاد ملک اور الگ وطن تھا، انڈیا کا حصہ نہیں تھا۔

'سنہ 1847 میں سندھ کو عوام کی خواہشات کے خلاف سازش کے تحت جبراً بمبئی پریزیڈنسی میں شامل کیا گیا۔ اس فیصلے کے خلاف سندھ کے عوام نے طویل جدوجہد کی، جس کے نتیجے میں سندھ کا جداگانہ تشخص بالآخر بحال ہوا۔' اس کے بعد بھی سندھ نے انگریزوں کے خلاف نہ صرف پارلیمانی اور جمہوری جدوجہد کی، بلکہ حروں کی مسلح تحریک بھی سندھ کی مزاحمتی تاریخ کا روشن باب ہے۔ حتیٰ کہ انگریزوں کو سندھ میں مارشل لا نافذ کرنا پڑا، مگر سندھ نے غلامی قبول نہیں کی۔'

چانڈیو بتاتے ہیں کہ سنہ 1940 کی قراردادِ لاہور (قراردادِ پاکستان) کو سب سے پہلے قبول کرنے والوں میں سندھ کے عوام شامل تھے۔ اس سے پہلے 1938 میں بھی سندھ اسمبلی یہ اعلان کر چکی تھی کہ 'ہم ہندوستان کے ساتھ نہیں رہیں گے۔'

'بانی پاکستان کا تعلق بھی سندھ سے تھا اور تین مارچ 1943 کو پاکستان کے حق میں سب سے پہلی قرارداد سندھ اسمبلی نے منظور کی، جسے جی ایم سید نے کلیدی کردار ادا کر کے پاس کرایا۔'

'سندھ نے کبھی ہندوستان کی بالادستی قبول نہیں کی'

چغتائی مرزا اعجاز الدین کی تحقیق ہے کہ متحدہ ہندوستان میں سب سے پہلے صوبہ سندھ ہی نے ایک آزاد مسلم ریاست کے حق میں قرارداد منظور کی۔ یہ قرارداد شیخ عبدالمجید سندھی نے پیش کی۔

'بانی پاکستان کا یہ مؤقف کہ ہندوستان کبھی ایک متحد قوم نہیں رہا اور مسلم ہندوستان ہمیشہ ایک الگ اکائی رہا ہے — اس کی گونج جی ایم سید کے بیان میں بھی سنائی دی، جو اس وقت مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے رکن اور ایک ممتاز سندھی رہنما تھے۔'

'جی ایم سید نے کہا کہ موئن جو دڑو سے منکشف ہونے والی وادی سندھ کی تہذیب اس بات کا ثبوت ہے کہ پاکستان کے علاقے کبھی ہندوستان کا حصہ نہیں رہے۔ اور یہ کہ سندھ، پنجاب، افغانستان اور سرحد مشرقِ بعید کا نہیں بلکہ مشرقِ وسطیٰ کا حصہ تھے۔'

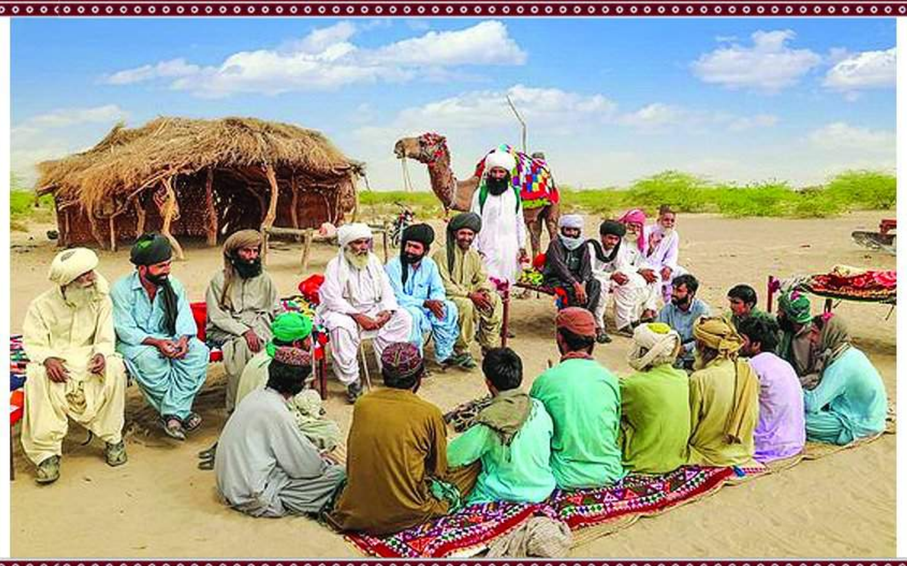
'برصغیر کے تمام صوبوں میں صرف سندھ اسمبلی ہی نے 3 مارچ 1943 کو، جی ایم سید کی پیش کردہ قرارداد کے ذریعے، لاہور قرارداد کی طرز پر پاکستان کے حق میں قرارداد منظور کی۔'

'بعدازاں 26 جون 1947 کو سندھ اسمبلی نے خصوصی اجلاس میں فیصلہ کیا کہ وہ نئی پاکستان دستور ساز اسمبلی کا حصہ بنے گی۔ یوں سندھ پاکستان میں شامل ہونے والا پہلا صوبہ بنا۔'

'سندھ کے وہ ارکان جنھوں نے پاکستان کے حق میں ووٹ دیا، پاکستان کے بانیانِ قوم ہیں۔ وہ یہ تھے: غلام حسین ہدایت اللہ، محمد ایوب کھوڑو، میر بندہ علی خان تالپور، پیرزادہ عبدالستار، محمد ہاشم گزدر، پیر الٰہی بخش، میران محمد شاہ، محمود ہارون، قاضی محمد اکبر، خان صاحب غلام رسول جتوئی، سردار قیصر خان گزدر، میر جعفر خان جمالی، سردار نبی بخش سومرو، غلام محمد وسان، سردار نور محمد بجارانی، غلام نبی ڈھیراج — اور سپیکر آغا بدرالدین جنھوں نے اجلاس کی صدارت کی۔'

چانڈیو بتاتے ہیں کہ 'آج بھی سندھ کے لوگ اگر کہتے ہیں تو یہی کہ ہم پاکستان کا حصہ ہیں، بس ہمیں قراردادِ 1940 کے تحت ہمارے آئینی و سیاسی حقوق دیے جائیں۔'







'یوں سندھ، جو ایک آزاد وطن تھا اور انگریزوں کے قبضے میں تھا، رضاکارانہ طور پر پاکستان کا حصہ بنا۔ پاکستان کی تحریک میں بنگال کے ساتھ ساتھ سندھ کا کردار بھی نمایاں اور تاریخی ہے۔'

'سندھ کے عوام نے کبھی ہندوستان کی بالادستی قبول نہیں کی۔ انڈیا کی سامراجی خواہشات آج بھی انھیں قبول نہیں، نہ کبھی ہوں گی۔ انڈیا کا حصہ بننے، یا اس کے کسی تسلط کو قبول کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'

چانڈیو کے مطابق سندھ تاریخی طور پر ایک آزاد وطن رہا ہے اور رضاکارانہ طور پر پاکستان میں شامل ہوا تھا۔

دانشور وجاہت مسعود کا کہنا ہے کہ اگر انڈین وزیر دفاع راج ناتھ سنگھ کی منطق کو درست سمجھا جائے تو مستقبل میں دلی، اَودھ اور حیدرآباد دکن پاکستان کا حصہ بن سکتے ہیں۔

انھوں نے بی بی سی کو بتایا کہ تاریخ کا سفر پرانے مخطوطوں کی روشنی میں آگے نہیں بڑھتا۔ 'پون صدی قبل ہندوستان تقسیم ہو گیا اور دو قومی ریاستیں قائم ہو گئیں۔ اس وقت کی قیادت نے یہ فیصلہ تسلیم کر لیا۔'

'گذشتہ سات دہائیوں میں دونوں ممالک کی سیاست، معیشت اور تمدن میں منفرد خطوط نمودار ہوئے ہیں۔ اب راج ناتھ جیسی باتوں سے سوائے غیر ضروری تلخی کے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔'

وجاہت مسعود کا مشورہ ہے کہ بہتر ہے کہ دونوں ملک اچھے ہمسائیوں کی طرح رہنا سیکھیں اور اپنے عوام کا معیارِ زندگی بہتر بنانے کی کوشش کریں۔

’میں نے جب ’دھورندھر‘ فلم کا ٹریلر دیکھا تو مجھے لگا جیسے میرا بچپن لوٹ آیا۔ جب یہ ساری چیزیں ہمارے سامنے ہوتی تھیں تو ہم تو سڑک پر کرکٹ کھیل رہے ہوتے تھے۔‘

کراچی کے علاقے لیاری میں گینگسٹرز کی لڑائی اور پولیس آپریشن کو انڈین فلم ’دھورندھر‘ کی کہانی میں شامل کیا گیا ہے۔ اس کہانی نے ہپ ہوپ



گولیوں کی گونج، تنگ گلیاں اور خوف و تشدد

فلم ’دھورندھر‘ میں دکھایا جانے والا لیاری اب کیسا ہے؟

سنگر کامران آدم سموں جیسے لیاری کے کئی افراد کو ماضی کی یاد دلائی، جس کو بعض لوگ ’سیاہ دور‘ قرار دیتے ہیں۔

اس فلم کا ٹریلر اس وقت یوٹیوب پر ٹرینڈ کر رہا ہے جبکہ کئی صارفین فلم میں پرتشدد مناظر دکھائے جانے پر تنقید کر رہے ہیں۔

یہ فلم، جو بظاہر پاکستان اور انڈیا کی خفیہ ایجنسیوں کی ایک دوسرے کے ملک میں کارروائیوں کو بیان کر رہی ہے، ایسے وقت پر ریلیز کی جا رہی ہے جب پاکستان اور انڈیا کے مابین مئی کے تنازع کے بعد سے کشیدگی تاحال جاری ہے۔

مزدور بستی سے گینگز آف لیاری کا سفر

لیاری ٹاؤن کی آبادی سنہ 2023 کی مردم شماری کے مطابق تقریباً دس لاکھ ہے اور یہ کراچی کی گنجان آبادیوں میں سے ایک ہے۔ یہاں بلوچ، سندھی، اردو، پشتون اور پنجابی آباد ہیں۔ ایک ایسا علاقہ جہاں ثقافتیں ساتھ رہتی ہیں۔

لیاری کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسی نے کراچی شہر کو جنم دیا جہاں ابتدائی طور پر محنت کش طبقہ آباد ہوا۔ وقت کے ساتھ ساتھ صنعتی ترقی اور بندرگاہ قریب ہونے کی وجہ سے یہاں مزدور، کاریگر اور کاروباری لوگ بس گئے اور یہ شہر کا پہلا ورکنگ کلاس علاقہ بنا اور یوں یہ سیاسی سرگرمیوں اور مزدور تحریکوں کا بھی مرکز رہا۔

اکیسویں صدی کا آغاز اس علاقے کے لیے ناخوشگوار رہا۔ پہلے منشیات فروش اور اس کے بعد گینگسٹرز گروپ سرگرم ہوئے، شہر میں لسانی تفریق اور ہنگامہ آرائی نے بھی اپنا رنگ دکھایا اور لیاری کی شناخت تبدیل ہونے لگی۔

ماضی میں لیاری میں گینگز منشیات فروشی تک محدود تھے۔ کلاکوٹ کی افشانی گلی کے دو بھائیوں شیر محمد (شیرو) اور داد محمد (دادل، رحمان بلوچ کے والد) نے منشیات کے کاروبار کو پھیلانے اور طاقت حاصل کرنے کے لیے اپنا گروہ منظّم کرنا شروع کیا۔

سابق ایس پی فیاض خان کے مطابق ’دوسری جانب منشیات ہی کے کاروبار سے منسلک اقبال عرف بابو ڈکیت کا گروہ بھی اسی لیاری کے علاقے کلری اور آس پاس کے محلوں میں فعال تھا۔ پھر لیاری جیسی بڑی آبادی کا کون سا علاقہ کس کے پاس ہوگا اور کس محلے میں چرس اور افیون جیسی منشیات کا کاروبار کس کے قبضے میں ہوگا، یہ رسّہ کشی دشمنی کا رنگ اختیار کرتی چلی گئی۔‘

دادل کی موت کے بعد رحمان نے وراثت سنبھالی اور جلد ہی کاروباری حسد اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کھینچا تانی میں ایک روز رحمان کی کھٹ پٹ حاجی لالو اور اس کے بیٹوں سے ہوگئی اور گرما گرمی نے لالو اور رحمان کی راہیں الگ کر دیں۔

سابق ایس پی فیاض خان کے مطابق محاذ آرائی کے اس رویے نے دشمنی کی شکل اختیار کی تو لالو کے بیٹے ارشد پپّو نے کلاکوٹ میں رحمان کو راستے سے ہٹانے کی کوشش کی۔ رحمان بچ تو نکلا مگر ارشد پپّو کے غضب کا رخ اس کے رشتہ داروں کی جانب ہوا اور ارشد پپّو کے ہاتھوں رحمان کے رشتہ دار مارے جانے لگے۔

ادھر رحمان نے بچی کھچی طاقت مجتمع کر کے جواباً ارشد پپّو کے رشتہ داروں پر حملوں کا آغاز کیا جن میں بلوچ اتحاد کے رہنما اور لیاری کی معروف شخصیت انور بھائی جان جیسے ممتاز لوگ بھی مارے گئے۔

پولیس کے مطابق منشیات کے بعد لیاری کے گینگز بھتہ خوری تک آ گئے۔ شیر شاہ کباڑی مارکیٹ سے لے کر جوڑیا بازار جو شہر کی ہول سیل مارکیٹ ہے تک یہ دائرہ بڑھتا گیا۔

بالآخر سنہ 2009 میں رحمان ایس پی چوہدری کے ساتھ ایک مبینہ



مقابلے میں ہلاک ہو گیا اور ان کے گینگ کی قیادت عذیر بلوچ کے پاس آ گئی جس نے مقامی سیاست میں بھی اثر انداز ہونا شروع کیا۔

سنہ 2012 میں لیاری کے چیل چوک پر آپریشن کیا گیا جو ایک ہفتے تک جاری رہا جس کی وجہ سے علاقے کے لوگ ایک ہفتے تک محصور رہے۔ اس آپریشن میں 25 سے زیادہ افراد ہلاک ہوئے جس میں پولیس اہلکار بھی شامل تھے۔

سنہ 2013 میں جب کراچی میں امن و امان کی مجموعی صورتحال میں بہتری کے لیے آپریشن شروع ہوا تو لیاری کے گینگز بھی ریڈار پر آ گئے۔

آدھے گھنٹے میں پانچ باکسر ہلاک

شیر محمد بلوچ پاکستان کے قومی باکسر ہیں۔ موجودہ وقت وہ فقیر کالونی میں لڑکوں اور لڑکیوں کو باکسنگ سکھاتے ہیں اس تربیت میں ان کے ساتھ استاد فدا بلوچ بھی موجود ہیں۔ دونوں نے مل کر اکیڈمی بنائی ہے۔ دونوں ہی گینگ وار کے متاثرین ہیں۔ شیر محمد کا چھوٹا بیٹا اور فدا کے دو بھائی اس میں ہلاک ہوئے۔

شیر محمد نے بتایا کہ لیاری کی صورتحال کی وجہ سے سنہ 2008 میں وہ سنگولائن چھوڑ کر مواچھ گوٹھ



منتقل ہو گئے تھے لیکن گینگسٹرز نے انھیں وہاں بھی نہیں چھوڑا۔ ان کے مطابق صرف آدھے گھنٹے میں ان کے پانچ باکسر ہلاک کیے گئے۔

ان کے مطابق '9 مارچ 2014 کو رات گیارہ بجے 30 سے 40 مسلح افراد آئے انھوں نے استاد فدا کے بھائیوں کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا، لڑکوں کو باہر نکالا، میرے بیٹے کو بھی باہر نکالا اور دروازہ باہر سے بند کر دیا۔'

انھوں نے درد بھرے لہجے میں کہا کہ 'ہمارے پانچ باکسروں کو سر پر گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔'

فدا بلوچ بتاتے ہیں کہ انھیں بہو نے کال کر کے آگاہ کیا۔ وہ فوری وہاں پہنچے تو لوگوں نے بتایا کہ لاشوں اور فیملی کو سوزوکی میں ڈال کر لیاری بھیجا اور کہا کہ جہاں سے آئے ہو وہاں جاؤ۔

وہ لیاری کے لیے نکلے تو راستے میں میراں ناکے پر گینگ وار والوں نے پکڑے کی کوشش لیکن وہ نکلنے میں کامیاب ہو گئے بعد میں انھیں پتا چلا کہ فیملی سول ہسپتال ہے، وہاں سرد خانے میں دیکھا تو بھائیوں کی لاشیں پڑی تھیں۔

فدا بلوچ بتاتے ہیں کہ وہ لاشیں فقیر کالونی لے کر آئے اور یہاں تدفین کی۔ اگلے دن انھیں پتا چلا کہ گینگ والوں نے ہمارے گھر جلا دیے ہیں۔ اس روز کے بعد سے شیر محمد بلوچ نے مواچھ سے فقیر کالونی میں رہائش اختیار کر لی۔

شیر محمد بلوچ کہتے ہیں کہ 'وہ چاہتے تھے کہ ہم یہاں قائم ہونے والی گینگ وار میں شامل ہو جائیں لیکن ہم ایسا نہیں چاہتے تھے کیونکہ باکسنگ ہماری خاندانی شناخت ہے اور ہم ان کاموں میں نہیں پڑتے تھے۔'

لیاری کا سیاہ دور

'دھورندھر' فلم میں جس لیاری کو دکھایا گیا، کیا آج بھی لیاری ویسا ہی ہے؟

یہ جاننے کے لیے ہم نے پانچ روز لیاری کے محلوں، گلیوں کے چکر لگائے اور وہاں کے نوجوانوں سے بات کی۔

سڑکوں، پینے کے پانی، تعلیم اور صحت کے مسائل کے باوجود یہاں کے نوجوانوں نے ہار نہیں مانی اور ایک نئی شناخت کی جدوجہد میں لگ گئے، یہاں لیاری گرلز کیفے اور مہر درکیفے جیسے ادارے قائم ہو چکے ہیں جہاں مختلف قومیتوں کے نوجوان آ کر بحث مباحثے بھی کرتے ہیں۔

مہر درکیفے میں ہمیں پروین بلوچ نے خوش آمدید کہا۔ یہاں چائے سموسے کے ساتھ لائبریری کی سہولت بھی موجود ہے۔ یہاں ہی ہماری ملاقات لیاری کے مصنف رمضان بلوچ سے ہوئی۔ انھوں نے لیاری کے گذشتہ دور کو تاریک دور قرار دیا اور کہا کہ اس وقت روزمرہ کی زندگی درہم برہم تھی، نوجوانوں کا تعلیمی کریئر متاثر ہوا، روزگار ایک مسئلہ بن گیا اس کے علاوہ جانوں کی حفاظت کا مسئلہ کھڑا ہوا جس سے پھر لیاری کی شناخت متاثر ہوئی۔

'کراچی کے دیگر علاقوں میں پرتشدد واقعات کی ابتدا سنہ 1985 میں شروع ہوئی لیکن اس کے اثرات ہمارے تک بہت دیر سے پہنچے، ان دنوں ہڑتالیں، ہنگامہ آرائی ہوتی تھی لیکن لیاری پرامن تھا۔'

پروین بلوچ نے بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بتایا کہ علاقے تقسیم ہو گئے تھے، جیسے ایک علاقہ کلری ہے تو سامنے شاہ بیگ لائن ہے، ایک علاقے سے دوسرے علاقے جانے میں مسئلہ ہو رہا تھا، ہر علاقے کی سرحدیں بن گئی تھیں اور ہر گلی کا اپنا ہیرو تھا۔

فہیم بلوچ سماجی کارکن ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ لوگ انھیں ڈاڈا، بلوچ، واجہ کہتے تھے یعنی کسی طرح بھی انھیں گینگ وار سے جوڑا جاتا۔

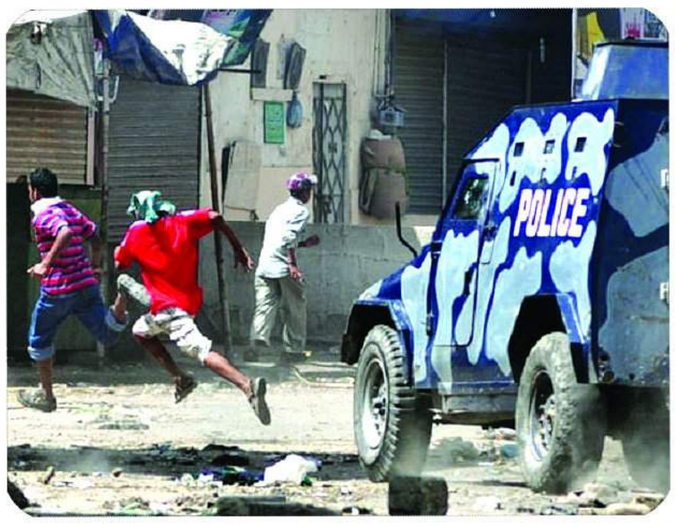
'ہمیں ان کو یہ سمجھانے میں کافی وقت لگا کہ ہم کون ہیں اور ہم کیسے پرامن شہری تھے لیکن اس دوران بہت سے نوجوان شناخت کے بحران کا شکار ہو گئے، جو دلبرداشتہ تھے، وہ لیاری کو چھوڑ گئے۔ وہ نفرت کرتے تھے کہ وہ یہاں کیوں پیدا ہوئے۔'

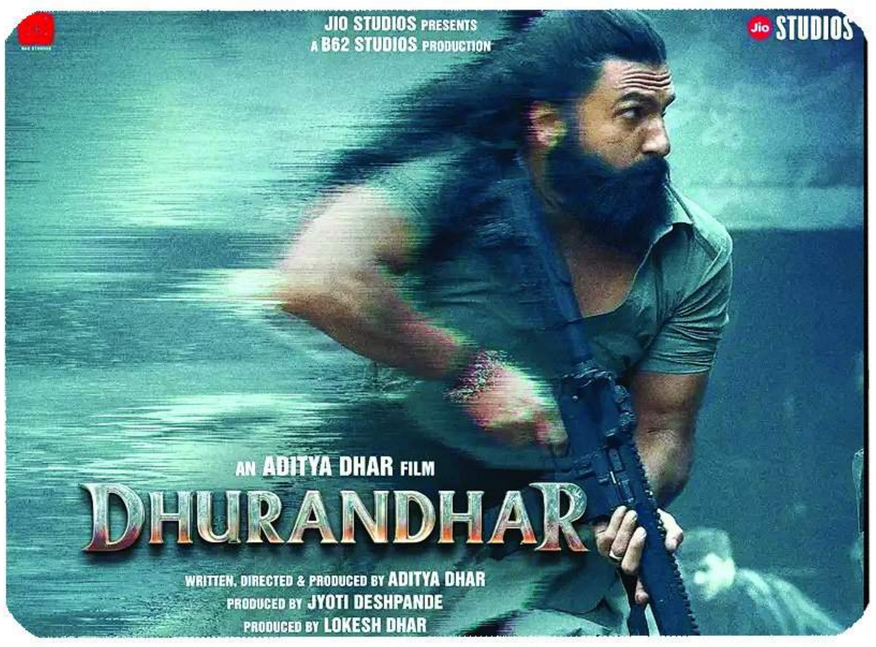
پروین بلوچ نے مہر درکیفے کے قیام کے بارے میں بتایا کہ اس کیفے سے پہلے پولی ٹیکنک کالج گینگسٹرز کا گڑھ تھا جہاں وہ لوگوں کو لاتے، ان پر تشدد کرتے اور انھیں قتل کرتے۔

آپریشن کے بعد انھوں نے وہاں نوجوانوں کو جمع کیا اور اپنا ادارہ کھولا۔ ایک چھوٹا سا ڈھابہ جسے 'آؤ امن کی باتیں کریں' ڈھابہ کہا جاتا تھا، جہاں لوگ سیاسی بحث کرتے، اس کے بعد یہ کرائے کی جگہ لے کر کیفے مہر درپبلک سپیس قائم کیا، جہاں تمام قومیتوں اور مذاہب کے لوگ آتے ہیں۔

کیفے میں چائے کے دوران میں نے اپنے موبائل فون پر 'دھورندھر' فلم کا ٹریلر چلایا اور پوچھا کہ ایس پی چوہدری اسلم، رحمان ڈکیت اور دیگر کردار دیکھ کر ان کے ذہن میں کیا خیال آتا ہے۔

فہیم بلوچ نے گینگ آف واسے پور کا حوالہ دیتے ہوئے مجھے بتایا کہ انڈیا میں گینگز پر پہلے بھی فلمیں بنتی رہی ہیں اور دوسرا دنیا میں کہاں جرم نہیں ہوتا۔ 'پہلے تو ہم بڑے ڈسٹرب تھے پھر مجھے لگا کہ ہم اس سے کہیں زیادہ آگے جا چکے ہیں۔'





پروین بلوچ کا کہنا تھا ابھی جو بچے ہیں وہ اس فلم کو دیکھ کر ضرور سوال کریں گے۔ 'ہمیں ذہنی طور پر تیار ہونا پڑے گا کہ ہماری شناخت کیا ہے، ہماری وہ شناخت جو مثبت ہے۔ یہ ایک ایسا دور تھا جو کچھ عرصے کے لیے آیا۔ یہ وہ دور تھا کہ جس نے ہم پر دھبہ لگا دیا، اسی سیاہ دور کے ساتھ ہمیں دھکیلنے کی کوشش کی گئی لیکن یہاں کے لوگوں اور نوجوانوں نے مزاحمت کی اور اس کے نتیجے میں آج ہم لیاری کو دوبارہ پرامن بنانے میں کامیاب ہوئے ہیں۔'

رمضان بلوچ کے مطابق وہ سب اس بات کو یقینی بنانا چاہتے ہیں کہ جو کچھ انھوں نے دیکھا، آنے والی نسلیں ایسے دور سے نہ گزریں۔ 'اگر خدانخواستہ ایسا دور دوبارہ آیا تو یہ بہت بڑا نقصان ہوگا۔'

فٹبال کے میدان میں لڑکیاں بھی آ گئیں

لیاری کو 'پاکستان کا برازیل' کہا جاتا ہے اور عالمی فٹبال کپ میں یہ علاقہ سج جاتا ہے۔ کچھ فیورٹ ممالک کے جھنڈے ابھی بھی کچھ علاقوں میں نظر آتے ہیں لیکن یہاں گینگ وار کے زمانے میں فٹبال میچ کے دوران دھماکہ ہوا اور اکیڈمیز غیر آباد ہو گئیں جو دوبارہ سے آباد اور فعال ہونا شروع ہوئیں۔

کوچ عماد فٹبال اکیڈمی کے میدان میں سنہ 2018 تک صرف مٹی اور دھول تھی لیکن اب سبزہ ہے۔ یہاں لڑکیاں بھی فٹ بال میں آ گئیں جو عالمی سطح پر بھی کھیل رہی ہیں۔ موجودہ وقت لیاری میں چار اکیڈمیاں ہیں جہاں اب لڑکیاں فٹبال کھیل رہی ہیں اور آگے بڑھ رہی ہیں۔

دعا فتوم پہلے اپنی ٹیم کی کپتان اور اب کوچ ہیں۔ وہ بتاتی ہیں کہ لیاری کی لڑکیاں ناروے اور سنگاپور بھی گئیں، لڑکیاں آگے بڑھ رہی ہیں، لیاری کا نام روشن کر رہی ہیں۔



'لیاری کے لوگ صرف گینگسٹر نہیں، وہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔ حکومت کو ان کا ساتھ دینا چاہیے لیکن انھیں حکومت کا ساتھ دستیاب نہیں۔'

لیاری کی سٹریٹ وائب

لیاری میں روایتی سروساز پہلے سے موجود تھا، جو بنتا بھی تھا اور بجایا بھی جاتا تھا لیکن اس کی آواز گولیوں کی گونج میں کہیں دب گئی تھی، تنگ اور گنجان گلیاں جو کبھی خوف کی علامت سمجھی جاتی تھیں ان ہی گلیوں سے مزاحمت نے جنم لیا اور اس نے ہپ ہوپ کی شکل اختیار کی، کیفی خلیل کہیں دنیا کو کہانی سنا رہا ہے تو ایوا کی بھی تصویر ٹائم سکوائر نیویارک پر لگی۔

کامران آدم سموں جیسے گلوکاروں نے لیاری کے دکھ بھی بتائے تو اس کی خوبصورتی بھی بیان کی۔

انھوں نے بتایا کہ جب انھوں نے ہپ ہوپ کرنا شروع کیا تو پہلا گانا انھوں نے 'لیاری وائس سٹی' بنایا۔

اس میں وہی چیزیں تھیں جو انھوں نے بچپن میں دیکھی تھیں، مطلب گولیاں چلتے دیکھیں، راکٹ لانچر دیکھے، بہت زیادہ تشدد دیکھا۔ اس کے بعد انھوں نے 'لیاری میرا نام' گیت بنایا جس میں موجودہ لیاری کو دکھایا گیا۔

کامران آدم سموں کہتے ہیں کہ 'بلاشبہ، لوگوں نے لیاری کو اس وقت قبول کرنا شروع کیا جب اس کا ٹیلنٹ سامنے آیا، جیسے ہماری فٹبال ٹیم نے بین الاقوامی سطح پر جانا شروع کیا۔ دوسری بات یہ کہ ہمارا ہپ ہاپ میوزک بہت اچھا ہے کیونکہ پورے کراچی میں ہمیں اس طرح کا میوزک دیکھنے کو نہیں ملتا جیسا کہ ہمارے یہاں ہے۔ یہ ایک سٹریٹ وائب ہے، اس لیے لوگ اس کو پسند کر رہے ہیں۔'

آدم بتاتے ہیں کہ جب بھی لیاری سے باہر جاتے ہیں تو وہ دیکھتے کہ کسی رکشے کسی ٹیکسی میں لیاری کا میوزک چل رہا ہے، اس سے اندر ہی اندر خوشی کا احساس ہوتا ہے کہ ایک ایسا علاقہ جسے کبھی کسی نے نہیں دیکھا تھا کو اچانک اتنی پہچان مل گئی۔

لیاری کے کئی علاقوں کی دیواروں پر آج بھی گولیوں کے نشانات موجود ہیں، کئی دل بھی دکھی ہیں جنھوں نے گینگ وار میں اپنے پیاروں کو کھویا لیکن لیاری بدل چکا ہے۔

اب یہاں خواب بستے ہیں اور یہاں کے نوجوانوں نے ثابت کیا کہ اپنے علاقے کو پہلے اپنایا جاتا ہے اور اس کے بعد شناخت تبدیل کی جاتی ہے۔

کشمیر میں ہندوؤں کے چندے سے چلنے والی یونیورسٹی میں مسلمان طلبا پر پابندی کا مطالبہ:

'داخلہ اسے ملے گا جسے ماتا سے عقیدت ہو'





روز قبل نئی دہلی میں لال قلعہ دھماکے میں ملوث مبینہ خودکش حملہ آور کی شناخت ظاہر کرتے ہوئے بتایا گیا کہ وہ ایک کشمیری ڈاکٹر تھے۔

انڈیا کے زیرِ انتظام کشمیر میں بی جے پی کے رہنما سُنیل شرما نے سنیچر کے روز ایک پانچ رکنی وفد کی قیادت کی جس نے جموں میں لیفٹیننٹ گورنر منوج سنہا کو یہ میمورنڈم پیش کیا۔ اس میں یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ ماتا ویشنو دیوی یونیورسٹی میں تمام داخلوں کو ہندوؤں کے لیے مخصوص کیا جائے۔

لیفٹیننٹ گورنر منوج سنہا ماتا ویشنو دیوی کے چانسلر بھی ہیں۔ انھوں نے ابھی تک یونیورسٹی حکام کو اس ضمن میں کوئی بھی ہدایت جاری نہیں کی ہے۔

بی بی سی اردو نے میمورنڈم وصول کرنے پر منوج سنہا کا مؤقف جاننے کے لیے اُن کے دفتر سے رابطے کی کوشش کی، تاہم ان کی جانب سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔

'یونیورسٹی میں داخلہ اسی کو ملے جو ماتا سے عقیدت رکھتا ہو'

بی جے پی کی جانب سے جمع کروائے گئے میمورنڈم میں کہا گیا ہے کہ 'اس سال میڈیکل کی داخلہ فہرست میں اکثریت ایک خاص فرقے (مسلمان) سے تعلق رکھنے والوں کی ہے۔'

'یہ یونیورسٹی ایک مذہبی ادارہ ہیاور لوگوں کو اس ادارے سے عقیدت ہے۔ یونیورسٹی عقیدت مندوں کے چندے سے چلتی ہے، وہ اس لیے چندہ دیتے ہیں تاکہ اُن کے عقیدے کو فروغ ملے۔ لیکن یونیورسٹی کے بورڈ نے اس بات کو نظر انداز کیا۔'

'ہم نے لیفٹیننٹ گورنر کو واضح کر دیا ہے کہ ماتا ویشنو دیوی یونیورسٹی میں داخلہ اُسی کو ملے گا جو ماتا کے ساتھ مذہبی عقیدت رکھتا ہو۔'

،تصویر کا کیپشنحکمران جماعت نیشنل کانفرنس اور کئی اپوزیشن پارٹیوں نے اس میمورنڈم کو گورنر کی طرف سے وصول کرنے پر برہمی کا اظہار کیا ہے

سنیل شرما نے بعد میں میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے میمونڈم میں درج تفصیلات کی تصدیق بھی کی اور مزید کہا کہ 'ہمیں یہ فہرست منظور نہیں۔ ہم نے گورنر سے کہا کہ سلیکشن ضابطوں میں ترمیم کی جائے اور اس یونیورسٹی میں صرف اُن کو داخلہ ملے جو ماتا سے عقیدت رکھتے ہوں۔'

جہاں بی جے پی کے کچھ حامی سنیل شرما کی مؤقف کی تائید کر رہے ہیں وہیں کچھ افراد اُن کے اس اقدام کی مذمت بھی کر رہے ہیں۔

'مذہبی ادارہ ہسپتال بنائے گا تو کیا ایک ہی مذہبی گروہ کا علاج ہوگا؟'

انڈیا کے زیرِ انتظام کشمیر میں حکمران جماعت نیشنل کانفرنس اور کئی اپوزیشن پارٹیوں نے اس میمورنڈم کو گورنر کی طرف سے وصول کرنے پر برہمی کا اظہار کیا ہے۔

نیشنل کانفرنس کے رکن اسمبلی تنویر صادق نے اس مطالبے کو مذہبی منافرت پھیلانے کا حربہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ 'پورے ملک میں مختلف مذاہب متعدد تعلیمی ادارے چلاتے ہیں، جہاں ہر مذہب سے تعلق رکھنے والے طلبا پڑھتے ہیں۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور جامعہ ملیہ اسلامیہ یونیورسٹی



میں صرف مسلمان نہیں جاتے، وہاں اپنی قابلیت اور صلاحیت کی بنیاد پر بلالحاظ مذہب لوگوں کا انتخاب ہوتا ہے، آج تک اس پر کسی نے اعتراض نہیں کیا۔' تنویر صادق نے کہا کہ تعلیمی اداروں کو کسی ایک مذہب کے لیے مختص کرنے سے پورا ملک تقسیم ہو جائے گا۔

'کل کو مذہبی اداروں کی فنڈنگ سے چلنے والے ہسپتال میں کیا علاج صرف ایک ہی مذہب کے لوگوں کا ہوگا؟ کیا صلاحیت کو نظر انداز کر کے اکثریتی بالادستی کو تسلیم کیا جائے گا؟ ایسی زہریلی سیاست کو ترک کر دینا چاہیے، اس سے پہلے کہ ملک کو ناقابل تلافی نقصان پہنچے۔'

اپوزیشن رہنما اور رُکن اسمبلی سجاد غنی لون نے اس مطالبے پر اپنے ردعمل میں کہا کہ میڈیکل سائنس کو مذہبی رنگ دینا ایک خطرناک رجحان ہے۔ 'پوری دنیا کے جن سائنس دانوں نے اپنی ایجادات اور تحقیق سے انسانیت کو فائدہ پہنچایا وہ یہ دیکھ کر اپنی قبروں میں اس وقت بے قرار ہوں گے کہ نیم خواندہ سیاسی لیڈر کس طرح میڈیکل سائنس کو مذہبی رنگ دے رہے ہیں۔'

'ہر انسان کے خیالات کا احترام'

واضح رہے کہ ویشنو دیوی کا مندر کشمیر کے جنوبی خطہ جموں میں کٹرہ کی ایک بلند پہاڑی پر واقع ہے۔

پورے انڈیا کے ہندو عقیدت مند ہر سال لاکھوں کی تعداد میں یہاں آتے ہیں اور اربوں روپے کا چندہ بھی جمع ہوتا ہے۔

سنہ 1999 میں انڈیا کے زیرِ انتظام کشمیر کی اسمبلی میں ایک قانون کو منظور کیا گیا تھا جس کے تحت ماتا ویشنو دیوی سے منسلک ایک تعلیمی ادارے کو باقاعدہ یونیورسٹی کا درجہ دیا گیا اور انڈیا کے یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے اسے تسلیم کر لیا۔ گذشتہ دہائیوں کے دوران اس یونیورسٹی سے سینکڑوں سائنسدان، ڈاکٹر اور انجینیئرز بلا لحاظ مذہب اور رنگ و نسل تعلیم حاصل کر چکے ہیں۔ 'اپنی پارٹی' کے سربراہ الطاف بخاری نے ایک بیان میں بی جے پی کے اس مطالبے کو غیر فطری قرار دیا ہے۔ انھوں نے کہا 'ہمارے یہاں مسلمانوں کے ادارے بھی ہیں، اسی منطق کا اطلاق اگر کل کو اسلامی یونیورسٹی اور بابا غلام شاہ بادشاہ یونیورسٹی کے داخلوں پر کیا جائے تو پھر کیا ہوگا؟'

یونیورسٹی کی ویب سائٹ پر ہندو مذہب یا ماتا ویشنو دیوی سے عقیدت کے بارے میں کچھ نہیں لکھا ہے۔ تاہم یونیورسٹی کے مشن اور اقدار کے حوالے سے کہا گیا ہے کہ یونیورسٹی 'دانشورانہ دیانت اور جوابدہی پر یقین رکھتی ہے۔ یہ ادارہ ہر انسان کے خیالات پر احترام اور برداشت کا مظاہرہ کرے گا۔' واضح رہے کہ 10 نومبر کو نئی دہلی میں ہونے والے خودکش کار بم دھماکے کی تحقیقات میں کئی کشمیری ڈاکٹروں کے نام سامنے آئے تھے۔

انڈیا کی وفاقی ایجنسی این آئی اے نے اسے 'وائٹ کالر ٹیرر ماڈیول' قرار دیا تھا۔ اس واقعے میں کم از کم 15 افراد ہلاک اور درجنوں زخمی ہوئے تھے۔ اس کے بعد سوشل میڈیا پر بعض بی جے پی کے حامی حلقوں نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ انڈین اداروں میں کشمیری اور انڈین مسلم طلبا کے داخلے پر پابندی عائد کی جائے۔

اسی دوران جموں میں بی جے پی کے رہنما اور رکن اسمبلی سُنیل شرما نے کئی پریس کانفرنسز میں کہا تھا کہ جموں کی ماتا ویشنو دیوی یونیورسٹی میں 'ہندوؤں کا مفاد نظر انداز کیا جا رہا ہے'

’کھلے مین ہول یا نالے میں رات کو ہرگز مت گریں‘







یہ چھ نومبر 2005 کا واقعہ ہے۔ ایک کار، جس میں ایک خاتون اور دو بچے سفر کر رہے تھے، کراچی میں ابوالحسن اصفہانی روڈ پر رات کے اندھیرے میں کھلے نالے میں جا گری کیونکہ سڑک پر کھدائی کے نتیجے میں جمع مٹی کے بڑے سے ڈھیر کے سبب ڈرائیور نالے کی چوڑائی کا درست اندازہ نہیں لگا پایا۔

ڈرائیور اور خاتون زخمی ہوئے مگر خاتون کی 13 سالہ بیٹی عکسِ بتول اور 10 سالہ بیٹا شایان ڈوبتی گاڑی سے بروقت نہ نکالے جا سکے اور ہلاک ہو گئے۔ خاتون کا نام شہلا رضا تھا جو بعد میں سندھ اسمبلی کی ڈپٹی سپیکر رہیں اور اب پیپلز پارٹی کی ایم این اے ہیں۔

جب یہ حادثہ ہوا تو صوبے کے وزیرِ اعلیٰ ارباب غلام رحیم اور میئر کراچی ایم کیو ایم کے مصطفیٰ کمال تھے جو اب وفاقی وزیر برائے ہیلتھ سروسز ہیں۔

محترمہ شہلا رضا نے اپنے بچوں کی موت کا ذمہ دار بلدیہ کراچی اور کراچی واٹر اینڈ سیوریج بورڈ کو قرار دیتے ہوئے ان کے خلاف ڈھائی کروڑ روپے ہرجانے کا دعوی دائر کیا۔

بلدیہ کراچی نے اپنے طور پر بھی انکوائری کروائی۔ مقدمہ سندھ ہائیکورٹ کے جسٹس فیصل عرب کی عدالت میں پیش ہوا۔ پھر کیا ہوا؟ کسی کو معلوم ہو تو اس ناچیز کو بھی آگاہ کر دے۔

اپریل 2008 سے آج تک (17 برس) سندھ میں نگراں حکومتوں کے مختصر ادوار کے علاوہ پیپلز پارٹی کی حکومت مسلسل ہے۔ سوا دو برس سے کراچی کے میئر کا تعلق بھی حکمران جماعت سے ہے۔ کنٹونمنٹ بورڈز کو چھوڑ کے سندھ کے دارالحکومت کے انتظام و انصرام کے ذمہ دار جتنے بھی ادارے ہیں وہ صوبائی حکومت یا کراچی سٹی گورنمنٹ کے کنٹرول میں ہیں۔

موٹے موٹے اداروں میں بورڈ آف ریونیو، سندھ بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی، کراچی واٹر اینڈ سیوریج بورڈ، سالڈ ویسٹ مینیجمنٹ بورڈ، پولیس، ٹریفک مینیجمنٹ، امورِ داخلہ، صحت اور تعلیم کے محکمے بھی شامل ہیں۔

18 ویں آئینی ترمیم کے بعد ترقیاتی انفراسٹرکچر، مینجمنٹ اور گورننس کے تقاضے پورے کرنے کے لیے پیسے کی بھی کمی نہیں۔

پھر بھی ایسا کیوں لگتا ہے کہ بالٹی دیکھنے میں تو بظاہر اچھی ہے مگر پیندے میں چھلنی لگی ہے۔ اس چھلنی سے وسائل کا جو دودھ مسلسل ٹپک رہا ہے اسے ہر طرح کے بلے پی پی کر موٹے تازے ہو رہے ہیں اور جنتا کی گود وضاحتوں، رپورٹوں، نعروں، الزامات اور دعووں سے بھری ہوئی ہے۔

اگر 17 برس پہلے تک کے سابق صوبائی اور شہری منتظمین کرپٹ، چوری کھانے والے مجنوں، متشدد، بدمعاش اور مسخرے تھے تو پھر آپ کے آنے سے گورننس میں کون سی ایسی کمی پوری ہو گئی جو نا اہل سابقین کے بس سے باہر تھی۔ اختیارات کیا صرف اوپر ہی اوپر جمع کرنے کے لیے ہوتے ہیں یا ان کا استعمال اور پھیلاؤ بھی ہوتا ہے؟

کراچی کو پاکستان کا معاشی انجن کہنا اب زخموں پر نمک چھڑکنے جیسا لگتا ہے۔ کرپشن، نااہلی اور گٹھ جوڑ کا سراغ لگانے کے لیے کسی افسر، عوامی نمائندے، نجی یا سرکاری سراغ رساں سے ملنا یا کانفیڈینشل فائلز دیکھنا ہرگز ضروری نہیں۔

آپ بس یہ کریں کہ ایرپورٹ سے گورنر ہاؤس تک یا چیف منسٹر ہاؤس کے سامنے سے گزرنے والی چکنی سڑک کو چھوڑ کے کسی بھی چھوٹے بڑے راستے پر پیدل یا گاڑی میں نکل جائیں۔ ہر ایک گز ناپنے کے بعد آپ کو لگ پتہ جائے گا کہ گورننس میں کرپشن کے کس قدر گڑھے اور ہچکولے ہیں۔

اس شہر کا حقیقی ڈیٹا کسی کے پاس نہیں۔ اوپر سے نیچے تک سب اندازوں اور آنکڑوں کی بیساکھیوں پر چل رہے ہیں۔ کتنی آبادی ہو گی کراچی کی؟ شاید ڈیڑھ کروڑ سے ساڑھے تین چار کروڑ۔۔ کتنی کچی یا بے قاعدہ آبادیاں ہیں؟ غالباً 30 سے 50 فیصد، مین ہولز کتنے ہیں؟ شاید دو لاکھ یا پھر تین لاکھ۔۔

غیر لائسنس یافتہ ہلکے اور بھاری وہیکلز کی کیا تعداد ہو گی؟ بہت ہیں بھائی بہت زیادہ۔ اس شہر میں سیوریج اور پانی کی انڈر گراؤنڈ لائنوں کی ڈرائنگز کس محکمے کی الماری میں ہیں؟ شائد فلاں محکمے میں، شائد فلاں ایجنسی کے پاس، غالباً فلاں ادارے کے پاس۔۔۔

سارا نظام غیبی ماڈل پر چل رہا ہے۔ کل کس نے تازہ تازہ سڑک بنائی اور پرسوں کون سا محکمہ اسے کھود گیا۔ اگلے ہفتے بڑے بڑے پائپ لا کر وہاں کس نے رکھ دیے۔ اب انھیں ڈالے گا کون، اس کے بعد مٹی کون پر کرے گا؟ کونسی پوری پوری سڑک دو برس پہلے کھدیڑ دی گئی۔ اس کی جگہ نئی سڑک ڈلنے کی ڈیڈ لائن کیا ہے؟

اسے پتہ ہے، ارے نہیں اسے پتہ ہے، نہیں یار فلانا بتا سکتا ہے۔۔۔

سپیڈ بریکرز کون بناتا ہے کون توڑتا ہے، کیا گلیوں میں بیریرز لگانے کی ہر خاص و عام کو اجازت ہے؟ زیرِ تعمیر پلوں کا تحفظ اور ان کے سریے لوہے سیمنٹ کو نشے بازوں اور کباڑیوں سے بچانا کس ادارے یا کمپنی کی ذمہ داری ہے؟ پارکنگ فیس واقعی ختم ہو چکی ہے یا کوئی بھی مسٹنڈا کہیں بھی پارکنگ کا بورڈ لگا کے بھتہ وصول کر سکتا ہے۔ گویا اس شہرِ آشوب میں جو زرہ جس جگہ ہے وہیں آفتاب ہے۔

اس شہر کے لوگ دعاؤں اور اپنی ذمہ داری پر رواں ہیں۔ باہر بچوں کو آئس کریم کھلانے تو لے جا رہے ہو لیکن اچانک کسی بھی جگہ ڈاکوؤں اور پولیس کی مڈھ بھیڑ میں کہیں کوئی بچہ کم نہ پڑ جائے۔

شاپنگ کیلئے چلے تو جاؤ مگر پہلے پتہ کر لو کہ کہیں جگمگاتے شاپنگ سینٹر کے سامنے اندھا مین ہول نہ کھلا ہو۔ کوئی بچہ انگلی چھڑا کے اس میں غائب ہو گیا تو سر پیٹنے کے سوا کیا کرو گے؟

موٹر سائیکل گھر سے نکال تو رہے ہو مگر آگے پیچھے دیکھ لینا کوئی بدمست واٹر ٹینکر یا بجری کا ڈمپر یا کچرے کا کھلا ٹرک تمہیں لاش نہ بنا دے۔ اس برس ساڑھے پانچ سو اس طرح مر چکے ہیں کہیں تم بھی ان اعداد میں شامل نہ ہو جاؤ۔

کسی کثیر منزلہ اپارٹمنٹ میں رہتے ہو تو آگ نہ لگنے کی دعا کرتے رہو۔ فائر بریگیڈ ایک آدھ گھنٹے میں آ تو جائے گا مگر اس کی گاڑیوں میں پانی بھی ہو ضروری نہیں۔ اگر پانی ہوا بھی تو یہ گارنٹی نہیں کہ اس کا پائپ کتنا اوپر تک پہنچ سکتا ہے۔

اور خبردار۔ رات کے وقت کسی بھی کھلے مین ہول میں گرنے سے پرہیز کریں کیونکہ ریسکیو 1122 کے پاس ایک تو ضروری آلات پورے نہیں اور اگر ہوں بھی تو اندھیرے میں کام کی صلاحیت نہیں اور اگر ہو بھی تو ڈرینیج سسٹم کا نقشہ کسی اور محکمے کے پاس ہے۔ کب وہ نقشہ ریسکیو والوں کے ہاتھ آئے اور کب لاش کی تلاش مکمل ہو۔

اس شہر میں گورننس کا ترجمہ اپنی مدد آپ ہے۔ مجھے اس شخص کی شدت سے تلاش ہے جس نے کراچی کو امیدوں اور روشنی کا شہر قرار دیا۔ یقیناً وہ نانجار 1980 سے پہلے ہی کوچ کر چکا ہو گا۔

یو اے ای ویزا کے حصول میں پریشانیوں کا سامنا کرتے پاکستانی کیسا محسوس کرتے ہیں؟

'دبئی کے لیے سنگل انٹری ویزا کی درخواستوں کو 70 سے 80 فیصد تک مسترد کر دیا جاتا ہے لیکن یو اے ای میں خاندانی تعلقات رکھنے والے افراد کی ویزا منظوری کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں'



لاہور سے تعلق رکھنے والے 28 سالہ ندیم جو کہ مارکیٹنگ کے شعبے سے وابستہ ہیں، نے جب رواں سال اپنے پہلے تفریحی دبئی کے دورے کی منصوبہ بندی کی تو انہوں نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا کہ یہ سفر مہینوں کی طویل آزمائش میں بدل جائے گا۔

انہوں نے ایک ٹریول ایجنسی کے ذریعے وزٹ ویزا کے لیے درخواست دی وہ بھی اس یقین کے ساتھ کہ یہ ایک 'معمول کا عمل' ہے۔ لیکن ان کی درخواست پہلی مرتبہ جنوری میں اور پھر دوبارہ نومبر کے آغاز میں دو بار مسترد ہوگئی۔

جس ایجنسی نے ان کا کیس سنبھالا تھا، اس نے سادہ سا سبب بتایا کہ وہ '40 سال سے کم عمر' ہیں اور کم عمر درخواست گزاروں کو زیادہ سخت جانچ پڑتال کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ ندیم جنہوں نے اپنا پہلا نام ظاہر کرنے کو ترجیح دیتے ہوئے کہا کہ ان کے لیے یہ وضاحت الجھن میں مزید اضافے کا باعث بنی جبکہ بہت سے مسافر بھی اس سے پریشان تھے۔

انہوں نے ڈان کو بتایا کہ 'مجھے سمجھ نہیں آتا۔ میری عمر کا اس سے کیا تعلق؟ میں فل ٹائم ملازم ہوں اور میں نے اپنا بینک اسٹیٹمنٹ بھی جمع کروایا تھا۔ میرا ایک دوست فری لانسر ہے، پہلی کوشش میں ہی اسے ویزا مل گیا۔ میں نے تیسری بار درخواست دی ہے، دعا ہے کہ اس بار منظور ہو جائے لیکن یہ بہت تھکا دینے والا عمل رہا ہے'۔

حال ہی میں متحدہ عرب امارات (یو اے ای) جانے والے پاکستانیوں کے لیے ویزا مسترد کیے جانے کے واقعات تواتر سے سامنے آ رہے ہیں حالانکہ خلیجی ملک کے پاکستان کے ساتھ قریبی سفارتی، اقتصادی اور ثقافتی تعلقات ہیں۔ ابوظبی مشرق وسطیٰ میں اسلام آباد کا اہم تجارتی شراکت دار ہے اور ترسیلاتِ زر کا بڑا ذریعہ بھی جہاں بڑی تعداد میں پاکستانی تارکینِ وطن مقیم ہیں۔

جمعرات کو ایڈیشنل سیکریٹری داخلہ سلمان چوہدری نے سینیٹ کی انسانی حقوق کی فنکشنل کمیٹی کو بتایا کہ یو اے ای پاکستانیوں کو ویزے جاری نہیں کر رہا۔ تاہم انہوں نے وضاحت کی کہ پاکستانی پاسپورٹس پر کوئی رسمی پابندی نہیں ہے۔

سینیٹر ثمینہ ممتاز زہری جو کمیٹی کی سربراہ ہیں، نے ڈان کو بتایا کہ یہ پابندیاں اس وجہ سے لگائی گئی ہیں کہ مسافروں کے 'جرائم میں ملوث ہونے' کے خدشات ہیں اور کہا کہ حال ہی میں بہت پیچیدگیوں کے بعد ہی چند ویزے جاری کیے گئے ہیں۔

یہ مسئلہ کئی ماہ سے جاری ہے۔ جنوری 2025ء میں سینیٹ کی اسٹینڈنگ کمیٹی برائے تارکین وطن پاکستانیوں کو بتایا گیا کہ بعض ممالک کے ویزے 'غیر رسمی طور پر بند' کر دیے گئے ہیں۔ اوورسیز ایمپلائمنٹ پروموٹر اعصام بیگ نے کہا کہ یو اے ای کو پاکستان سے آنے والے وزٹ ویزہ رکھنے والے افراد کے حوالے سے خدشات ہیں کہ وہ ممکنہ طور پر 'گداگری' میں ملوث ہو سکتے ہیں۔

اس کے اگلے ماہ پاکستان کے سابق سفیر برائے یو اے ای فیصل نیاز ترمذی نے پاکستانی شہریوں کو ویزا نہ دینے کے معاملے کو ایک 'سنگین اور اہم' مسئلہ قرار دیا۔ عرب نیوز سے بات کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اماراتی حکام نے دستاویزات کی صداقت، بشمول تعلیمی اسناد اور مجرمانہ ریکارڈ رکھنے والے درخواست دہندگان کے معاملات پر خدشات ظاہر کیے ہیں۔

فیصل ترمذی نے کہا، 'اگر کہیں بھی تضاد پایا گیا، پھر چاہے دستاویز اصلی ہی کیوں نہ ہوں مگر پاکستان یا یو اے ای میں تصدیق اصلی نہ ہو تو یہ ویزے رد کیے جانے کا سبب بن سکتا ہے'۔ انہوں نے مزید بتایا کہ اب مصنوعی ذہانت پر مبنی تصدیقی نظام استعمال کیا جا رہا ہے۔

اپریل میں یو اے ای کے سفیر برائے پاکستان حمد عبید ابراہیم سالم الزعابی نے اعلان کیا کہ ویزا کے مسائل حل ہو گئے ہیں اور پاکستانی شہری اب پانچ سالہ ویزے سے استفادہ حاصل کر سکتے ہیں۔

ان یقین دہانیوں کے باوجود، جولائی کے شروع میں دوبارہ مسائل سامنے آئے۔ وزیر داخلہ محسن نقوی نے یہ معاملہ اپنے یو اے ای ہم منصب کے ساتھ اٹھایا اور 11 جولائی کی ملاقات میں یو اے ای کے لیفٹیننٹ جنرل شیخ سیف بن زاید النہیان نے پاکستانی شہریوں کے ویزوں کی تیز تر پروسیسنگ کے لیے مکمل تعاون کی یقین دہانی کروائی۔

اس سب کے باوجود مسافروں کو اب بھی رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

صحافی فاطمہ عطار والہ نے دبئی میں ہونے والے بڑے ایونٹ گل فوڈ کی کوریج کے لیے اپنی کوششوں کو یاد کرتے ہوئے کہا، 'میرا ویزا دو بار مسترد ہوا۔ پہلے ہم ایک ایجنسی کے ذریعے گئے پھر اس ایونٹ کی کو آرڈینیٹنگ آفیشل ایجنسی کے پاس گئے لیکن 45 سال سے کم عمر کے ہر درخواست دہندہ کا ویزا مسترد کر دیا گیا۔

'یہاں تک کہ کمپنی ڈائریکٹرز کے ویزے بھی پہلے راؤنڈ میں منظور نہیں ہوئے۔ دوسرے راؤنڈ میں صرف 45 سال سے زائد عمر کے درخواست دہندگان کے ویزے دیے گئے۔ یہ صرف پاکستان کا مسئلہ نہیں ہے، افریقہ اور دیگر ممالک کے لوگوں کو بھی یہی صورت حال دیکھنے کو ملی'۔

25 سالہ سید عباس رضا نقوی جو ایک امریکی کمپنی کے لیے کام کرتے ہیں نے کہا کہ انہیں کمپنی کی اسپانسرشپ کے باوجود ان کا ویزا بار بار رد کیا گیا۔ 'میں نے گزشتہ سال ستمبر میں جنوری میں ہونے والی ایک کانفرنس کے لیے درخواست دینا شروع کی۔ میری کمپنی نے دعوت نامہ اور تمام معاون دستاویزات فراہم کیں لیکن پھر بھی کامیابی نہ ملی۔ میں نے تین بار کوشش کی۔ آخر کار ایک 'گارنٹی شدہ ویزا' زیادہ فیس پر جاری کیا گیا لیکن یہ عمل اب بھی غیر شفاف اور پریشان کن ہے'۔

عباس رضا نے اس سال ستمبر میں پانچ سالہ، ملٹی پل انٹری وزٹ ویزا کے لیے درخواست دی لیکن اسے دوبارہ مسترد کر دیا گیا۔

انہوں نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا، 'ویزے کی قیمت ایک ہزار 200 ڈالر (3 لاکھ 39 ہزار روپے) تھی۔ مجھے 650 ڈالر واپس کیے گئے لیکن پھر بھی مجھے ایک بڑا مالی نقصان ہوا۔ خوش قسمتی سے، میری کمپنی نے اخراجات برداشت کیے لیکن مجموعی طور پر یہ ایک مایوس کن تجربہ رہا'۔

کراچی کے ایک 36 سالہ ٹیک کاروباری صاحب کا ویزا بھی مسترد ہوا، انہوں نے ڈان کو نام نہ ظاہر کرنے شرط پر بتایا کہ انہوں نے اس سال ستمبر میں کوشش کی تھی۔ اس کے بعد میں نے پہلی درخواست کے بجائے نئی ویزا کے لیے درخواست دی۔ حیرت انگیز طور پر اسی مہینے میں ویزا جاری کر دیا گیا'۔

بقیہ صفحہ 23 پر



زہران ممدانی کی جیت نے ثابت کیا کہ اسرائیل کی حمایت سے امریکی تنگ آچکے ہیں

یہ فتح مکمل طور پر غیر متوقع تو نہیں تھی لیکن یہ تاریخی ضرور تھی۔ کچھ عرصے سے سروے ظاہر کر رہے تھے کہ زہران ممدانی جو جنوبی ایشیائی نژاد مسلمان تارکین وطن ہیں، نیویارک سٹی کے میئر کے انتخاب میں سبقت لیے ہوئے ہیں۔

تاہم ان کی جیت یقینی نہیں تھی کیونکہ ماہرین کا خیال تھا کہ عمر رسیدہ ووٹرز کی معمول سے زیادہ تعداد جو اینڈریو کومو کی حمایت کرتی تھی، نتائج کو پلٹ سکتی ہے۔ لیکن ایسا نہ ہوا اور 4 نومبر کی رات امریکا کے سب سے بڑے شہر نے پہلی مرتبہ ایک مسلمان میئر منتخب کیا۔



ڈیموکریٹس کے لیے خصوصاً ترقی پسند ڈیموکریٹس جنہوں نے اپنی پارٹی کی غزہ میں نسل کشی کی خاموش حمایت کی، آئس (امیگریشن اینڈ کسٹمز انفورسمنٹ) کے چھاپوں پر بے عملی اور مہنگائی کے مسئلے پر حقیقی حل نہ دینے پر مایوسی ظاہر کی تھی، یہ فتح ایک طرح سے ان کے مؤقف کو رد کرتی ہے۔ زہران ممدانی جن کے خلاف 20 سے زائد ارب پتیوں نے لاکھوں ڈالر جھونک دیے، انہوں نے بتایا کہ پارٹی کی اصل توانائی کہاں موجود ہے۔

جین زی کے ووٹر بڑی تعداد میں باہر نکلے اور زہران ممدانی کو ووٹ دیا۔ آخر کار برسوں تک ہیلری کلنٹن اور چک شومر جیسے رہنماؤں کے پسندیدہ 'سینٹرازم' کے نمائندوں کے بعد، ایک ایسا شخص سامنے آیا جو پارٹی کے عام ووٹر کی زبان بولتا تھا۔ ان کی فتح کے فرق نے یہ واضح کر دیا کہ ڈیموکریٹک قیادت کس قدر غلط فہمی میں مبتلا تھی۔

اصل کہانی دراصل تارکین وطن اور مسلمانوں کی بھی ہے۔ نیویارک وہ شہر ہے جو 9/11 کی یاد کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے۔ یہ ایک ایسا واقعہ جسے ری پبلکن اور ڈیموکریٹ دونوں نے دنیا بھر میں جنگیں شروع کرنے اور ان کے لیے فنڈز فراہم کرنے کے جواز کے طور پر استعمال کرتی ہیں۔ یوں اسلاموفوبیا (اسلام دشمنی) کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔

دو دہائیوں سے زائد عرصے تک 9/11 کی یاد کو نیویارک کے سیاستدانوں نے نسلی امتیاز اور مسلمانوں کے خلاف کھلے عام کارروائیوں کے جواز کے طور پر استعمال کیا حتیٰ کہ ان افراد کے خلاف بھی جو صرف 'مسلمان جیسے' نظر آتے تھے۔ مشتبہ سیکیورٹی وجوہات اور بغیر ثبوت کے ممکنہ حملوں کے بہانے بنا کر مسلم مردوں اور عورتوں کو خوفزدہ کیا گیا۔ ایف بی آئی اور نیویارک پولیس ڈیپارٹمنٹ (این وائی پی ڈی) کے ایجنٹس کو مساجد میں گھسنے کے لیے بھیجا گیا، مسلمانوں پر دباؤ ڈالا جاتا تھا کہ وہ دوسرے مسلمانوں کے خلاف مخبری کریں۔

جب کسی مسجد کی تعمیر کا منصوبہ پیش کیا گیا تو اسے شدید اسلام دشمنی کا سامنا کرنا پڑا، شہر کے بعض یہودی-امریکی گروہوں کی طرف سے بھی جنہوں نے 9/11 کے واقعے کو مسلمانوں کے سماجی و مذہبی اعتبار سے دیوار سے لگانے کے لیے استعمال کیا۔

یہ بات زہران ممدانی کی جیت کے ایک اور پہلو کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ نیویارک سٹی، اسرائیل کے باہر دنیا کا سب سے بڑا یہودی شہر ہے۔ بہت سے لوگ یہ سوچتے تھے کہ غزہ میں جاری نسل کشی اور زہران ممدانی کی فلسطینیوں کے لیے کھلی حمایت کے پس منظر میں ایسی کامیابی ممکن نہیں ہوگی۔

اگرچہ یہودی برادری کے ایک بڑے حصے نے ان کے خلاف ووٹ دیا جیسا کہ ایگزٹ پولز کے مطابق روسی نژاد یہودی خاص طور پر زہران ممدانی کے خلاف منظم تھے لیکن قابلِ ذکر تعداد میں نوجوان امریکی یہودیوں نے ان کے حق میں ووٹ ڈالا۔ بوڑھے امریکی یہودیوں کے برعکس جن میں اکثریت صہیونی نظریات رکھتی ہے اور وہ اسرائیل پر تنقید کو یہود دشمنی سمجھتے ہیں، نوجوان امریکی یہودی زیادہ باریک بین اور متوازن نقطہ نظر رکھتے ہیں۔

یہ بات یقیناً اسرائیل کے لیے تشویش کا باعث ہوگی کیونکہ اس کی لابی ایپک (AIPAC) امریکا میں ری پبلکن اور ڈیموکریٹ دونوں جماعتوں



کے امیدواروں کو ان کی حمایت کے بدلے مالی مدد فراہم کرتی ہے۔ نیویارک سٹی کے میئر کے انتخابی مباحثے میں، زہران ممدانی واحد امیدوار تھے جنہوں نے صاف کہا کہ انہیں جیتنے کے بعد اسرائیل کا دورہ کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں اور وہ اس کے بجائے نیویارک ہی میں رہنا پسند کریں گے۔

دیگر امیدواروں نے اس مؤقف پر ان پر سخت تنقید کی مگر زہران اپنے مؤقف پر ڈٹے رہے اور بالآخر وہی کامیاب ہوئے۔ یہ صورت حال یقیناً لابیز کے لیے پریشان کن ہے جو شاید اب سوچ رہی ہوں گی کہ کہیں امریکی سیاستدان یہ احساس تو نہیں کرنے لگے کہ عوام اپنے رہنماؤں کی اسرائیل نوازی سے تنگ آچکے ہیں، خاص طور پر ایسے وقت میں جب وہ خود اپنے کرائے یا کھانے کے اخراجات برداشت کرنے کے قابل نہیں ہیں۔

نیویارک سے باہر بھی ڈیموکریٹس نے بڑی کامیابیاں حاصل کیں جسے آئندہ سال ہونے والے امریکا کے مڈٹرم انتخابات کے ایک واضح پیش منظر کے طور پر دیکھا جا رہا ہے۔ ووٹرز نے ری پبلکنز اور بالواسطہ طور پر ٹرمپ کے ایجنڈے کے خلاف نمایاں اکثریت سے ووٹ دیا حتیٰ کہ کمزور یا غیر متاثر کن ڈیموکریٹ امیدوار بھی جیتنے میں کامیاب رہے۔

یہ خبر اُن تمام امریکیوں کے لیے خوش آئند ہے جو اس سال کے آغاز سے حکومت کے اندر جاری کمزوری اور انتشار کو دیکھ رہے تھے۔ عام طور پر صدور کو عوام کی ناپسندیدگی سے پہلے کچھ وقت مل جاتا ہے مگر اس بار ایسا نہیں ہوا۔

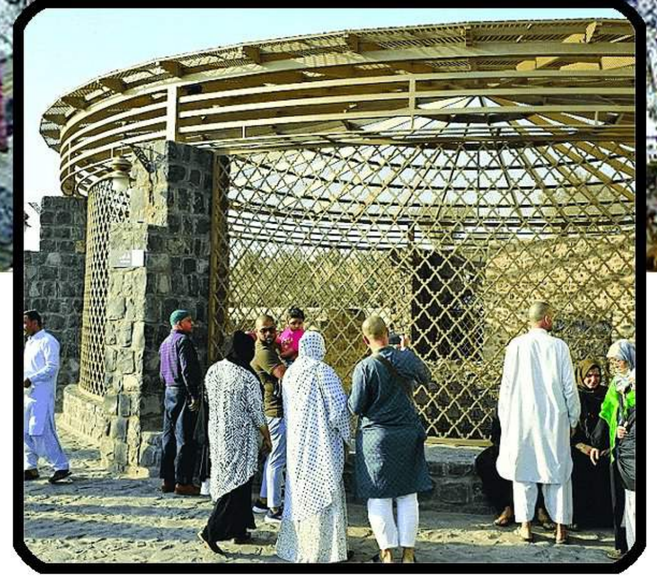
جہاں تک تارکینِ وطن اور مسلمانوں کا تعلق ہے تو خوشخبری صرف نیویارک سٹی تک محدود نہیں تھی۔ ورجینیا نے بھارتی نژاد امریکی غزالہ ہاشمی کو اپنی پہلی مسلم امریکی خاتون لیفٹیننٹ گورنر کے طور پر منتخب کیا ہے۔ اسی طرح، ڈیئربورن (Dearborn)، مشی گن اور ڈیئر بورن ہائٹس (Dearborn Heights) کے شہروں میں بھی مسلمان میئر منتخب ہوئے۔

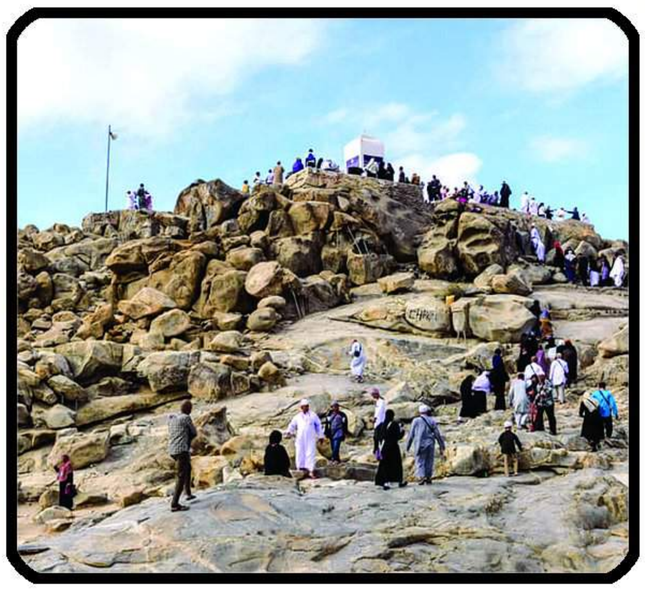
زہران ممدانی کی عمر صرف 9 سال تھی جب 9/11 کے واقعات پیش آئے۔ ان کی والدہ میرا نائر جو ایک آسکر نامزد فلم ساز ہیں اور ان کے والد محمود ممدانی جو نوآبادیاتی دور کے بعد کے مطالعے کے ممتاز ماہر ہیں، شاید کبھی تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ وہ بچہ جو اس وقت ایک ایسے شہر میں ایک مسلمان طالبِ علم تھا جو اچانک مسلمانوں سے محتاط ہونے لگا تھا، ایک دن نیویارک کا پچھلے 100 برسوں میں سب سے کم عمر میئر بن جائے گا۔

مگر معجزے ہوتے ہیں اور تاریخ کی گردش یہ سکھاتی ہے کہ جسے کبھی معاشرہ 'غیر' یا 'اچھوت' سمجھتا ہے، وہی ایک دن رہنما بن کر ابھر سکتا ہے۔ زہران ممدانی کی کہانی اُن تمام لوگوں کے لیے سبق اور ترغیب ہے جنہوں نے کبھی بہتر وقت آنے کی امید چھوڑ دی تھی۔



سعودی عرب اور مکہ مکرمہ کے بارے میں حیران کن معلومات







یہاں کھجور کے سوا کوئی فصل نہیں

پھر بھی دنیا کی ہر چیز، پھل، سبزی

وغیرہ بے موسم فروخت ہوتی ہے

1-: یہاں پانی مہنگا اور تیل سستا ہے۔۔۔

2-: یہاں کے راستوں کی معلومات مردوں سے زیادہ عورتوں کو ہے اور یہاں پر مکمل خریداری عورتیں ھی کرتی یں مگر پردے میں رہ کر۔۔۔

3-: یہاں کی آبادی 4 کروڑے اور کاریں 9 کروڑ سے بھی زیادہ ہیں۔۔۔

4-: مکہ شہر کا کوڑا شہر سے 70km دور پہاڑیوں میں دبایا جاتا ہے۔۔۔

5-: یہاں کا زم زم پورے سال اور پوری دنیا میں جاتا ے اور یہاں بھی پورے مکہ اور پورے سعودیہ میں استعمال ھوتا ے، اور الحمدللہ آج تک کبھی کم نہیں ھوا۔۔۔

6-: صرف مکہ میں ایک دن میں 3 لاکھ مرغ کی کھپت ھوتی ھے۔۔۔

7-: مکہ کے اندر کبھی باھمی جھگڑا نہیں ھوتا ہے۔۔۔

8-سعودیہ میں تقریبا 30 لاکھ بھارتی، 18 لاکھ پاکستانی، 16 لاکھ بنگلہ دیشی، 4 لاکھ مصری، 1 لاکھ یمنی اور 3 ملین دیگر ممالک کے لوگ کام کرتے ہیں،

سوچو اللہ یہاں سے کتنے لوگوں کے گھر چلا رہا ہے۔۔۔

9-: صرف مکہ میں 70 لاکھ AC استعمال ھوتے ھیں۔۔۔

10-: یہاں کھجور کے سوا کوئی فصل نہیں نکلتی پھر بھی دنیا کی ھر چیز، پھل، سبزی وغیرہ ملتی ے اور بے موسم یہاں پر بکتی ہے۔۔۔

11-: یہاں مکہ میں 200 کو الٹی کی کھجور بکتی ے اور ایک ایسی کھجور بھی ے جس میں ھڈی یا ھڑکل (گڑک) ھی نہیں۔۔۔

12: مکہ کے اندر کوئی بھی چیز لوکل یا ڈپلیکیٹ نہیں بکتی یہاں تک کے دوائی بھی۔۔۔

13-: پورے سعودی عرب میں کوئی دریا یا تالاب نہیں ے پھر بھی یہاں پانی کی کوئی کمی نہیں ہے۔۔۔

14-: مکہ میں کوئی پاور لائن باھر نہیں تمام زمین کے اندر ہیں۔۔۔

15-: پورے مکہ میں کوئی نالہ یا نالی نہیں ہے۔۔۔

16-: دنیا کا بہترین کپڑا یہاں بکتا ے۔ جبکہ بنتا نہیں۔۔۔

17: یہاں کی حکومت ھر پڑھنے والے بچے کو 600 سے 800 ریال ماھانہ وظیفہ دیتی ہے۔۔۔

18-: یہاں دھوکا نام کی کوئی چیز ھی نہیں۔۔۔

19-: یہاں ترقیاتی کام کے لئے جو پیسہ حکومت سے ملتا ے وہ پورا کا پورا خرچ کیا جاتا ہے۔۔۔

20: یہاں سرسوں کے تیل کی کوئی اوقات نہیں، پر بکتا توے، یہاں سورج مکھی اور مکئی کا تیل کھایا جاتا ہے۔۔۔

21-: یہاں ریالی نہیں یعنی درخت پودے نہ ھونے کے برابر ھیں، پہاڑ خشک اور سیاہ ھیں مگر سانس لینے میں کوئی تکلیف ھی نہیں، یہاں یہ سائنسی ریسرچ فیل ہے۔۔۔

22-: یہاں ھر چیز باھر سے منگائی جاتی ے پھر بھی مہنگائی نہیں ھوتی۔۔۔

آبِ زم زم کا سراغ لگانے والوں کو منہ کی کھانی پڑی

مزید نئے روشن پہلوؤں کے انکشافات سامنے آ گئے۔۔۔

تفصیلات کے مطابق آبِ زم زم اور اس کے کنویں کی پُراسراریت





پر تحقیق کرنے والے عالمی ادارے اس کی قدرتی ٹیکنالوجی کی تہہ تک پہنچنے میں ناکام ہوکر رہ گئے۔

عالمی تحقیقی ادارے کئی دھائیوں سے اس بات کا کھوج لگانے میں مصروف ھیں۔۔۔

کہ آب زم زم میں پائے جانے والے خواص کی کیا وجوھات ھیں۔۔۔

اور* ایک منٹ میں 720 لیٹر *

جبکہ* ایک گھنٹے میں 43 ھزار 2 سو لیٹر *

پانی فراھم کرنے والے اس کنویں میں پانی کہاں سے آ رھا ھے۔۔۔

جبکہ مکہ شہر کی زمین میں سینکڑوں فٹ گہرائی کے باوجود پانی موجود نہیں ھے۔۔۔

جاپانی تحقیقاتی ادارے ھیڈ وانسٹیٹیوٹ نے اپنی تحقیقی رپورٹ میں کہا ھے کہ

آب زم زم ایک قطرہ پانی میں شامل ھوجائے تو اس کے خواص بھی وھی ھوجاتے ھیں جو آب زم زم کے ھیں

جبکہ زم زم کے ایک قطرے کا بلور دنیا کے کسی بھی خطے کے پانی میں پائے جانے والے بلور سے مشابہت نہیں رکھتا۔۔۔

ایک اور انکشاف یہ بھی سامنے آیا ھے کہ ری سائیکلنگ سے بھی زم زم کے خواص میں تبدیلی نہیں لائی جا سکتی۔۔۔

آب زم زم میں معدنیات کے تناسب کا ملی گرام فی لیٹر جائزہ لینے سے پتا چلتا ھے۔

کہ اس میں

*سوڈیم 133، *

*کیلشیم 96، *

*پوٹاشیم 3.43، *

*بائی کاربونیٹ 4.195، *

*کلورائیڈ 3.163، *

*فلورائیڈ 72.0، *

*نائیٹریٹ 8.124، *

اور

سلفیٹ 124 ملی گرام فی لیٹر موجود ھے۔۔

آب زم زم کے کنویں کی مکمل گہرائی 99 فٹ ھے۔۔۔

اور اس کے چشموں سے کنویں کی تہہ تک کا فاصلہ 17 میٹر ھے۔۔۔

واضح رھے کہ دنیا کے تقریباً تمام کنوؤں میں کائی کا جم جانا، انواع و اقسام کی جڑی بوٹیوں اور خود رَو پودوں کا اُگ آنا نباتاتی اور حیاتیاتی افزائش یا مختلف اقسام کے حشرات کا پیدا ھوجانا ایک عام سی بات ھے جس سے پانی کا رنگ اور ذائقہ بدل جاتا ھے۔۔۔

اللہ کا کرشمہ ھے کہ اس کنویں میں نہ کائی جمتی ھے، نہ نباتاتی وحیاتیاتی افزائش ھوتی ھے، نہ رنگ تبدیل ھوتا ھے، نہ ذائقہ۔۔۔

(بقیہ: یو اے ای ویزا کے حصول میں پریشانیوں کا سامنا کرتے پاکستانی کیسا محسوس کرتے ہیں؟

مزمل آصف ایک اسپورٹس جرنلسٹ ہیں جو دبئی میں ایشیا کپ کی کوریج کے لیے تعینات تھے، اپنے ویزا مسترد ہونے کی وجہ سے سفر نہ کر سکے حالانکہ ان کے پاس تمام ضروری اجازت نامے اور دستاویزات موجود تھیں۔

'ہمارے ٹریول ایجنٹ نے کہا کہ دبئی ویزوں کے رد کیے جانے کی شرح '100 فیصد' ہے۔ ہر ایجنسی نے درخواست دینے سے انکار کر دیا۔ پاکستان کرکٹ بورڈ نے ابوظبی کے ذریعے درخواست دینے کی ہدایت دی لیکن پھر بھی منظوری غیر یقینی تھی۔ آخرکار میرا ویزا اس لیے مسترد کر دیا گیا کیونکہ میں 35 سال سے کم عمر اور غیر شادی شدہ ہوں۔ ٹکٹ اور ہوٹل کی بکنگ پہلے ہی ہو چکی تھی اور میری نیوز ایجنسی کو تقریباً ایک لاکھ روپے کا نقصان ہوا'۔

ٹریول ایجنسیز نے اس رجحان کی تصدیق کی۔

ویزا ایکسپریس کراچی کی کسٹمر سروسز نمائندہ سحر نصیر نے ڈان کو بتایا کہ 'دبئی کے لیے پہلی بار اور سنگل انٹری ویزا کی درخواستوں کو 70 سے 80 فیصد تک مسترد کر دیا جاتا ہے جبکہ یو اے ای میں خاندانی تعلقات رکھنے والے افراد کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں'۔

منیجر ٹرپس ٹریول اینڈ ٹورز ظہیر زبیر نے کہا کہ سنگل ویزوں کی منظوری کی شرح صرف 20 فیصد ہے جبکہ فیملی ویزوں کی منظوری تقریباً 80 فیصد ہے۔

اے ای جی ویزا کے ایک ٹریول ایجنٹ عبید سجاد نے ویزا حاصل کرنے کے لیے سخت مالی تقاضوں کا حوالہ دیا۔ انہوں نے کہا، 'اگر آپ چھ ماہ کی بینک اسٹیٹمنٹ کے ساتھ تقریباً 30 لاکھ روپے جمع کرواتے ہیں تو آپ کے امکانات بہتر ہیں۔ سنگل ویزا مسترد ہونے کی سب سے بڑی وجہ ناکافی فنڈز ہیں'۔

ادھر پریمیو ٹریول اینڈ ٹورز کی ایجنٹ قرۃ العین نے کہا کہ گزشتہ زائد قیام یا غیر واضح مالی دستاویزات' ویزا مسترد ہونے کی وجوہات ہیں۔

پاکستانی سوشل میڈیا پر بات چیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عوام میں وسیع پیمانے پر مایوسی پائی جاتی ہے۔ ریڈٹ صارفین نے بلاک شدہ ٹرانزٹ ویزے اور ایجنسیز جیسے VFS گلوبل کی متضاد اطلاعات کا ذکر کیا اور ایک صارف نے بتایا کہ پیشہ ورانہ حیثیت یا عمر اکثر ویزا منظوری کا تعین کرتی ہے۔

کچھ صارفین نے کہا کہ 'پاکستانیوں کے لیے دبئی میں وزٹ ویزے پر عملی طور پر پابندی' ہے جس کی وجہ مبینہ غیر قانونی ہجرت کے خدشات ہیں۔

تاہم یو اے ای ایمبیسی کے ایک سینئر سفارتکار جو اپنا نام ظاہر نہیں کرنا چاہتے تھے، نے اس قیاس آرائی کو مسترد کرتے ہوئے ڈان کو بتایا کہ 'پاکستانی شہریوں کے لیے یو اے ای ویزے پر کوئی پابندی نہیں ہے'۔

انہوں نے کہا، 'یو اے ای حکومت مختلف کیٹیگریز کے تحت درخواست دہندگان کو روزانہ ویزے جاری کرتی ہے۔ البتہ بعض پاکستانی ٹریول ایجنٹس نے ماضی میں درخواست دہندگان کے ڈیٹا میں تبدیلیاں کیں جس کی وجہ سے مسائل پیدا ہوئے جس کے بعد مرکزی ویزا نظام متعارف کروایا گیا'۔

سفارتکار نے مزید بتایا کہ شفافیت یقینی بنانے کے لیے ایمبیسی میں تین بایومیٹرک ڈیسک قائم کیے گئے ہیں۔

انہوں نے کہا، 'یو اے ای میں 22 لاکھ 70 ہزار پاکستانی مقیم ہیں جو نئے قانون کے تحت اپنے خاندانوں کی اسپانسرشپ کر سکتے ہیں۔ تاہم جن لوگوں کا کریمنل ریکارڈ ہے یا جنہوں نے اپنا ڈیٹا تبدیل کیا تھا، انہیں اپنے ریکارڈ درست کرنے کو کہا جا رہا ہے'۔

دوسری جانب یو اے ای کے سفیر سالم الزعابی نے جمعرات کو وزیرِ خزانہ محمد اورنگزیب کو ویزا سہولت کاری میں بڑے اصلاحات سے آگاہ کیا جن میں آن لائن پروسیسنگ، پاسپورٹ اسٹیمپ کے بغیر ای ویزے اور سسٹم ٹو سسٹم لنکیجز کی تیز رفتار سہولت شامل ہیں۔ وزارتِ خزانہ کے ایکس اکاؤنٹ پر ایک پوسٹ کے مطابق، پاکستان میں نئے قائم شدہ یو اے ای ویزا سینٹر میں روزانہ تقریباً 500 ویزا پراسیس کیے جاتے ہیں۔

سفارتی یقین دہانیوں اور حال ہی میں اعلان شدہ اصلاحات کے باوجود ندیم اور دیگر پاکستانی ویزا درخواست دہندگان کے تجربات ظاہر کرتے ہیں کہ عمل پر اب بھی غیر یقینی صورت حال پائی جا رہی ہے۔

ندیم نے فون پر ڈان سے گفتگو کرتے ہوئے افسوس کے ساتھ کہا، 'ایسا لگتا ہے جیسے آپ اپنے منصوبوں، کام کی ذمہ داریوں اور پیسوں کے ساتھ لاٹری کھیل رہے ہیں۔ میں بس یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کیا میں جا سکتا ہوں یا نہیں'۔



انٹرنیشنل کرکٹ کونسل (آئی سی سی) نے منگل کو مینز ٹی ٹوئنٹی ورلڈ کپ 2026 کے شیڈول کا اعلان کر دیا۔

انڈیا اور سری لنکا میں منعقد ہونے والا ورلڈ کپ کا یہ دسواں ایڈیشن 20 ٹیموں کے درمیان 2024 کے فارمیٹ کے تحت کھیلا جائے گا۔

آئی سی سی کی ویب سائٹ نے ان پانچ مقابلوں کی نشان دہی کی ہے جنہیں ٹورنامنٹ کے دوران خصوصی اہمیت حاصل رہے گی۔

روایتی حریف ایک بار پھر آمنے سامنے ہوں گے اور توقع ہے کہ یہ ٹورنامنٹ کا سب سے زیادہ دیکھا جانے والا میچ ہوگا۔

حالیہ مقابلوں میں انڈیا کو برتری حاصل ہے، تاہم پاکستان کی تاریخ بتاتی ہے کہ اسے کبھی بھی کم نہیں سمجھا جا سکتا، خصوصاً 2009 کے فاتحانہ سفر جیسا۔

پاکستانی سکواڈ حالیہ وقت میں بہتر فارم میں ہے اور جنوبی افریقہ و سری لنکا کے خلاف مسلسل فتوحات حاصل کر چکا ہے۔

یہ مقابلہ دفاعی چیمپئن انڈیا کے لیے امتحان ہوگا، جس کی قیادت سوریہ کمار یادو کر رہے ہیں۔

2024 کے سیمی فائنل کا یہ ری میچ ایک بار پھر میدان سجائے گا۔ جنوبی افریقہ اگرچہ مضبوط دکھائی دیتا ہے مگر افغانستان کا سپن اٹیک انڈین کنڈیشنز میں نہایت خطرناک ہو سکتا ہے۔

فضل حق فاروقی اور نوین الحق کی تیز بولنگ قابل ذکر ہے جبکہ زدران اور گرباز بیٹنگ لائن اپ کو استحکام دیتے ہیں۔

دوسری طرف پروٹیز نوجوان صلاحیتوں جیسے بریوس اور مافاکا کے ساتھ نئے توازن کی تلاش میں ہیں۔

اس میچ میں 2016 کے فائنل کی یادیں ایک بار پھر تازہ ہوں گی۔

دونوں ٹیموں نے 2025 میں نئی قیادت کا آغاز کیا۔

انگلینڈ ہیری بروک کی رہنمائی میں بہتر کارکردگی دکھا رہا ہے جبکہ ویسٹ انڈیز اچھے کھیل کے باوجود نتائج کے حصول میں مشکلات کا شکار ہے۔

تاہم جب یہ دونوں ٹیمیں آمنے سامنے ہوں تو کسی اضافی محرک کی ضرورت نہیں رہتی۔

دو سابق چیمپئنز کی ٹکر، وہ بھی سری لنکا کی سرزمین پر۔ آسٹریلیا کا ٹی ٹوئنٹی ورلڈ کپ میں سری لنکا کے خلاف ریکارڈ بہتر ہے مگر میزبان ٹیم تبدیلی کے دور سے گزرنے کے باوجود اپنے مداحوں کے سامنے بڑا تاثر چھوڑنے کے لیے پُرعزم ہے۔

نسانکا، پریرا، ہسرنگا، تھشرا اور تھیکشنا ٹیم کی امیدوں کا مرکز ہوں گے۔

آسٹریلیا بھی گذشتہ دو ایڈیشنز میں ناکامی کے بعد ٹرافی کے حصول کے لیے بے تاب نظر آئے گا۔

ٹورنامنٹ کے سب سے منفرد اور دلچسپ میچوں میں سے ایک۔ ٹی ٹوئنٹی ورلڈ کپ میں پہلی بار ڈیبیو کرنے والی ٹیم اٹلی نے یورپی کوالیفائر میں حیران کن کارکردگی دکھائی۔

آسٹریلوی اور انگلش ڈومیسٹک تجربہ رکھنے والے کھلاڑی انہیں پوشیدہ خطرہ بنا دیتے ہیں۔

دوسری جانب نیپال نے ایشیا کوالیفائر میں ناقابل شکست مہم کے ساتھ ثابت کیا کہ وہ کسی بھی حریف کو مشکل میں ڈال سکتے ہیں۔

ٹی 20 ورلڈ کپ کا شیڈول جاری
پانچ اہم مقابلے جن پر سب کی نظریں

انڈیا اور سری لنکا میں منعقد ہونے والا ورلڈ کپ کا یہ دسواں ایڈیشن 20 ٹیموں کے درمیان 2024 کے فارمیٹ کے تحت کھیلا جائے گا



لیاری زون کے قدیمی کیبرال اسکول میں اسٹیم مقابلہ

تخلیقی صلاحیت، اختراع اور ماحولیاتی شعور کے فروغ کا متاثر کن دن



رپورٹ زید میمن

لیاری زون کے قدیم اور صلاحیتوں سے بھرپور تعلیمی ادارے بی ایف کیبرال اسکول میں 2 دسمبر 2025 کو سائنس، ٹیکنالوجی اور تخلیقی سرگرمیوں سے سجا ایک شاندار دن دیکھنے میں آیا، جب یہاں اسٹیم مقابلہ 2026 کے اسکول راؤنڈ کا انعقاد کیا گیا۔ یہ تقریب اپنی جدت، تخیل، مہارت، اور ماحول کے تحفظ کے عزم کی وجہ سے پورے علاقے میں نمایاں رہی۔

اس دن طلبہ نے اپنی ذہانت اور تخلیقی قوت کا زبردست مظاہرہ کیا۔ بچوں نے پُرانے، استعمال شدہ اور پھین ہوئے مواد کو کام میں لاتے ہوئے حیرت انگیز ماڈلز تیار کیے، جو نہ صرف ان کی مہارت کو ظاہر کرتے تھے بلکہ ماحولیاتی شعور کی بھی بہترین مثال تھے۔

پروگرام میں تین خصوصی کیٹیگریز میں نمونے پیش کیے گئے:

ٹرانسپورٹ کا نیا تصور

اپنے محلے کی دوبارہ تشکیل

تخلیقی کھیل کا میدان

تقریب میں اساتذہ کے لیے بھی ایک انوکھا مقابلہ رکھا گیا جس کا مقصد مستقبل کے جدید اور مثالی کلاس روم کا تصور پیش کرنا تھا۔ اس دلچسپ چیلنج نے اساتذہ میں بھی نئی سوچ اور اعتماد کو جنم دیا۔

اس موقع پر محترمہ شگفتہ جبین نے طلبہ اور اساتذہ دونوں کی کوششوں کو سراہا۔ انہوں نے خاص طور پر سید قاسم علی شاہ بخاری کی خدمات اور مہارت کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے اس تعلیمی سرگرمی کو نہایت کامیابی سے آگے بڑھایا۔ اس پروگرام کی کامیابی میں اے ایف پی سید مہدی علی شاہ کا تعاون بھی نمایاں رہا۔

تقریب اُس وقت مزید وقار اختیار کر گئی جب مختلف معزز مہمانوں نے شرکت کر کے بچوں کی حوصلہ افزائی کی۔ ان میں ڈپٹی ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر احمد سولنگی، ڈی ایف پی محترمہ کوثر پروین، سماجی رہنما محترمہ سبین کھتری، شہید بادامی، صدر گسٹا ساؤتھ جناب منیر جان بلوچ، ہیڈ ماسٹر مظہر منیر کہکشاں اور نامور ریٹائرڈ اساتذہ جناب ظہیر سر، جناب عرفان سر، محترمہ بلقیس اور محترمہ سمرا شامل تھے۔

والدین کی بھرپور شرکت نے بھی اس تقریب کو ایک خاندانی، دوستانہ اور یادگار دن بنا دیا۔

یہ پورا ایونٹ طلبہ، والدین اور اساتذہ کے لیے تخیل، سیکھنے، تخلیق اور باہمی تعاون کا ایک متاثر کن منظر رہا، جس نے ثابت کیا کہ لیاری جیسے قدیمی خطے میں بھی تعلیم کا چراغ پوری آب و تاب کے ساتھ روشن ہے۔





















ملک زاہد دہلوی

تاجر برادری کا قابل فخر چہرہ اور اتحاد کی علامت ہیں

تحریر: عبداللہ گدی

کراچی کے پرانے تجارتی علاقوں کے تاجروں کے اعزاز میں تقریب کا انعقاد کیا گیا جس نے نہ صرف مقامی کاروباری طبقے کو یکجا کیا بلکہ یہ ثابت بھی کیا کہ جب کسی کمیونٹی میں محنت اخلاص اور انسانی تعلقات کو اہمیت دی جائے تو وہی لوگ اس کے حقیقی رہنما بن کر سامنے آتے ہیں۔ آل کراچی کباڑ یونین نے ایشیاء کی سب سے بڑی کباڑ مارکیٹ کے صدر زاہد دہلوی کو ان کی مسلسل خدمت، خلوص نیت اور تاجر برادری کے لیے کی جانے والی انتھک جدوجہد پر خراج تحسین پیش کیا۔ دوران تقریب مختلف تاجر تنظیموں کے نمائندگان نے ملک زاہد دہلوی کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا اس کی وجہ سے یہ محض رسمی کی بجائے ایک اجتماعی اظہار اعتماد کا پروگرام بن گیا۔











آل کراچی اسکریپ ایسوسی ایشن اور نائب صدر اور میزبان شہریار قریشی کی جانب سے ملک زاہد دہلوی کی 25 سالہ بے لوث خدمات کے اعزاز میں ایک پروقار تقریب میں عشائیہ کا اہتمام بھی کیا گیا۔ اس موقع پر ایک وسیع وعریض پنڈال سجایا گیا جہاں تاجروں، سماجی رہنماؤں اور مقامی کمیونٹی کے عمائدین کی بڑی تعداد موجود تھی یہ کسی عام تقریب کا منظر نہیں بلکہ ہر چہرے پر مسکراہٹ اور باہمی احترام اس بات کا ثبوت تھا کہ یہ اجتماع دلوں کے قریب رہنے والے ایک ایسے شخص کے اعزاز میں تھا کہ جس نے ہمیشہ ''ہم'' کی زبان میں کی۔ تقریب میں شامل شیر شاہ کباڑ مارکیٹ کے چیئرمین ریاض الدین، جنرل سیکرٹری آغا عبدالخالق، نائب صدر فرہان، نائب صدر ایوب شیخ، نائب صدر رمیض جمیل، غریب آباد کے صدر نعمان، اسکریپ یونین کے صدر چوہدری ارشد، جنرل سیکرٹری مبارک شاہ، صدر ڈسٹرکٹ ویسٹ اور آل سٹی تاجر اتحاد کے صدر میجر موسیٰ خان، شہریار ملک، فرحان قریشی، شاہ زیب ملک، صدر مبشر، جنرل سیکرٹری باسم تقریب میں موجود مختلف یونین نمائندگان شاداب دین قریشی، رشید خالدی، حاجی اخلاق، محمد اشرف خان، محمد علی، جاوید قریشی، فیصل شیر شاہ، شاہد خان، رئیس بلوچ، شفیع بلوچ نے تقریب کو یادگار بنانے میں اہم کردار ادا کیا، مشہور سیاسی اور سماجی رہنما اور یونین کے صدر عبداللہ گدی سمیت متعدد اہم شخصیات کی شرکت نے ثابت کر دیا یہ تقریب صرف ملک زاہد دہلوی کے اعزاز میں نہیں اس بات کا پیغام تھی کہ اصل قیادت وہ ہے جو اپنے لوگوں کے درمیان میں رہ کر ان کے مسائل سمجھے، ان کے لیے لڑے اور ان کے قدم سے قدم ملا کر چلے، آخر میں ملک زاہد دہلوی نے پولیس اور رینجرز کے تعاون کو سراہتے ہوئے آئی جی سندھ، ڈی جی رینجرز اور ایڈیشنل آئی جی کا بھرپور شکریہ ادا کرتے ہوئے خراج تحسین پیش کیا۔

صدر جوڑیا بازار عبدالقادر بھولو، نائب صدر اورنگی ٹاؤن خان زیب، گلشن اقبال مارکیٹ کے صدر جام عبدالرحمٰن، جنرل سیکرٹری جام افضل، سیکرٹری فیضان ملک، جوائنٹ سیکرٹری نثار، صدر اورنگی ٹاؤن کشور علی خان، مسلم لیگ ق کراچی کے صدر جمیل احمد خان، مرکزی مسلم لیگ کے صدر عبدالرحمٰن، شعیب بندھانی، ذمہ دار لیاقت آباد سینئر رہنما سید مشرف مشہور کاروباری شخصیت شزاد شیزی، سابق ایس پی شاہنواز ایڈووکیٹ، مشتاق اعوان ایڈووکیٹ، آصف ایڈووکیٹ، ایس پی سائٹ، وکلاء، پولیس افسر اور دیگر عہدیداران نے بھرپور شرکت کی، اس موقع پر جنرل گودام کے صدر حاجی اخلاق احمد قریشی اور کرنل گودام کے صدر برہان قریشی کی شیر شاہ کباڑ مارکیٹ کے امن اور یونین کے لیے بے پناہ خدمات کو بھی سراہا گیا۔







Loose Skin

ڈھیلی جلد کا آسان اور مؤثر حل

ڈاکٹر ربیعہ (لاہور)

آپ کو آج ایک عام مگر بہت فکر کی جانے والی جلدی شکایت کا حل بتانا چاہتی ہوں۔

بہت سے لوگوں کو وزن کم کرنے یا وزن کے اتار چڑھاؤ کے بعد اپنی جلد کی لچک کھونے کا مسئلہ ہوتا ہے، جلد ڈھیلی ہو جاتی ہے۔

اور یہ صرف ظاہری بات نہیں، بلکہ اندرونی صحت کی علامات کا بھی اشارہ دے سکتی ہے۔

مسئلے کی وجوہات:

میری تحقیق اور مریضوں کے تجربات سے پتہ چلا ہے کہ زیادہ تر ڈھیلی جلد کی ایک بڑی وجہ انسولین مزاحمت (Insulin Resistance) ہے۔

آپ کے جسم میں انسولین بہت ہے، مگر وہ صحیح طرح کام نہیں کر رہی۔

اور اس کی وجہ سے امینو ایسیڈز (خصوصاً وہ برانچڈ امینو ایسڈز) خلیات کے اندر نہیں پہنچ پا رہے۔ یہ امینو ایسڈز ہمارے عضلات کو مرمت کرنے اور نئی ساخت بنانے کے لیے ضروری ہیں، مگر انسولین کی غیر فعالیت کی صورت میں یہ فائدہ نہیں ہوتا۔

انسولین مزاحمت کی چند علامات یہ ہیں:

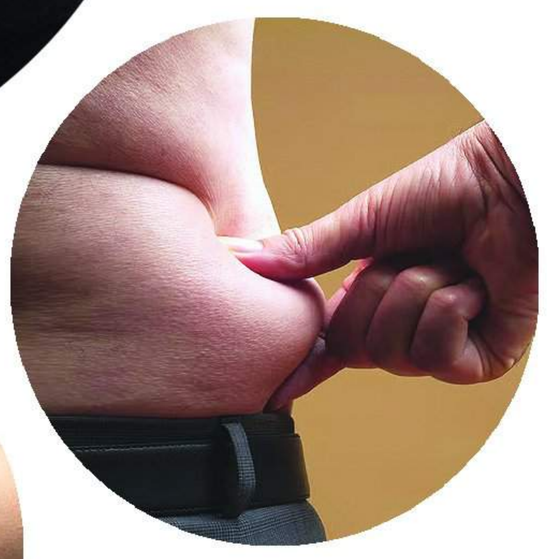
1۔ وزن کم کرنے میں دشواری

2۔ پیٹ کی چربی

3۔ توانائی کی کمی اور تھکن







4۔ وقتی بھوک شدت سے لگنا

5۔ کھانے کے بعد اطمینان نہ ہونا

6۔ دماغی دھند (Brain fog) وغیرہ

حل: ڈھیلی جلد سے نجات کا چارٹر

ڈھیلی جلد کو ٹھیک کرنے کے لیے میرا مشورہ یہ ہے۔

1۔ شوگر اور ریفائنڈ کاربز کو ترک کریں۔

مٹھائی، سفید بریڈ اور دیگر تیز جوش کاربوہائیڈریٹ آپ کی انسولین کی سطح کو بے حد بڑھا سکتے ہیں اور مزاحمت کی حالت کو بگاڑ سکتے ہیں۔

2۔ سنیکس سے پرہیز کریں۔

دو وقت کا منظم کھانا اور بیچ بیچ میں نمکین یا مٹھا کھانے کی عادت سے چھٹکارا حاصل کریں۔

یہ انسولین کی سطح کو مستحکم کرنے میں مدد دے گا۔

3۔ پروٹین کو کبھی بھی شکر خاص کر مصنوعی مٹھاس کے ساتھ نہ ملائیں۔

پروٹین اور شکر کو ایک ساتھ کھانے سے آپ کی انسولین کی کارکردگی متاثر ہو سکتی ہے۔

انہیں الگ وقت پر استعمال کریں تاکہ انسولین بہتر طور پر کام کر سکے

4۔ کھانے کے ساتھ چکنائی (Fat) شامل کریں۔

ایک صحت مند چکنائی (مثلاً مونو انسیچوریٹڈ چکنائی) کو اپنے کھانے میں شامل کریں۔

اس سے آپ بھوک کے درمیان زیادہ دیر تک ریلیکس رہ سکتے ہیں اور انسولین کی سطح بہتر منظم رہتی ہے۔

5۔ کافی کے زیادہ استعمال سے گریز کریں۔

اگرچہ کافی کسی حد تک فائدہ مند ہو سکتی ہے، مگر اس کا بہت زیادہ استعمال انسولین اور ہارمونز پر منفی اثر ڈال سکتا ہے، لہٰذا اسے محدود کریں۔

اگر آپ کافی کے عادی ہیں تو روز ایک کپ کافی، کافی ہے۔

ڈھیلی جلد صرف ایک جمالیاتی مسئلہ نہیں ہے، بلکہ یہ آپ کی اندرونی صحت کی ایک علامت ہو سکتی ہے۔

اگر آپ ان تبدیلیوں کو اپنی روزمرہ زندگی میں شامل کریں تو نہ صرف آپ کی جلد کی لچک واپس آ سکتی ہے، بلکہ آپ مجموعی صحت میں بھی بہتری محسوس کریں گے۔

نوٹ: یہ تحریر صرف معلوماتی مقاصد کیلئے ہے۔

میرا ذاتی یا طبی مشورہ یہ نہیں ہے کہ اس کو آپ ضرور اپنائیں۔

کوئی بھی نیا غذائی معمول یا طرز زندگی اپنانے سے پہلے اطمینان کا ہونا ضروری ہے یا اپنے طبی ماہر سے مشورہ لینا بیحد ضروری ہے۔







پاکستان کی ٹرائی سیریز میں فتح مگر سوشل میڈیا پر فاف ڈوپلیسی کے چرچے کیوں؟

ٹرائی سیریز کے فائنل میں پاکستان نے سری لنکا کو چھ وکٹوں سے شکست دی ہے مگر آج شام سے سوشل میڈیا پر جنوبی افریقہ کے کھلاڑی فاف ڈوپلیسی کا چرچا رہا ہے۔

فاف ڈوپلیسی نہ تو یہ میچ کھیل رہے تھے اور نہ ہی ان کا دونوں ٹیموں سے کوئی تعلق ہے۔ بلکہ راولپنڈی کرکٹ سٹیڈیم میں پاکستان اور سری لنکا کی کرکٹ ٹیموں کے درمیان ٹرائی سیریز فائنل کے دوران فاف ڈوپلیسی نے اعلان کیا تھا کہ وہ آئندہ سال آئی پی ایل کی بجائے پاکستان سُپر لیگ کھیلیں گے۔

دریں اثنا سنیچر کے روز ٹرائی سیریز فائنل میں پاکستان نے ٹاس جیت کر سری لنکا کو بیٹنگ کی دعوت دی تھی۔ سری لنکا نے پہلے بیٹنگ کرتے ہوئے مقررہ 20 اوورز میں 114 رنز بنائے۔

پاکستانی ٹیم جب ہدف کے تعاقب کے لیے میدان میں اُتری تو نہایت پُراعتماد انداز میں بیٹنگ کا آغاز ہوا۔

پاکستان کی پہلی وکٹ آٹھویں اوور میں تب گری کہ جب صاحبزادہ فرحان 22 گیندوں پر 23 رنز بنا کر ایشان ملنگا کی گیند پر بولڈ ہو گئے۔

اُن کے آؤٹ ہو جانے کی بعد پاکستان کے دوسرے آؤٹ ہونے والے کھلاڑی تھے صائم ایوب جن کی وکٹ وانندو ہسارنگا نے لی وہ 33 گیندوں پر 36 رنز بنا کر آؤٹ ہوئے۔ صائم کے بعد 98 کے مجموعی سکور پر 16ویں اوور میں پاکستانی کرکٹ ٹیم کے کپتان سلمان علی آغا 14 گیندوں پر 14 رنز بنا کر پویلین لوٹ گئے۔

پاکستان کی جانب سے آؤٹ ہونے والے آخری کھلاڑی فخر زمان تھے کہ جو 18ویں اوور کی پہلی گیند پر پون رتھنائکے کا شکار بنے، انھوں نے پانچ گیندوں پر تین سکور بنائے۔

سری لنکا کی جانب سے پاون رتھنا یک نے 2، وانندو ہاسارنگا اور ایشان مالینگا نے ایک، ایک وکٹ اپنے نام کی۔

سری لنکن اننگز کا احوال

ٹرائی نیشن سیریز کے فائنل میں پاکستانی بولر کی عمدہ بولنگ کے نتیجے میں سری لنکا ٹیم بڑا ہدف دینے میں ناکام رہی اور مقررہ 20 اوورز میں 114 رنز پر ہی ڈھیر ہو گئی۔

راولپنڈی کرکٹ سٹیڈیم میں کھیلے جا رہے میچ سری لنکا ٹیم کی پہلی وکٹ 20 رنز پر گری جس کے بعد کامل مشارا اور وکٹ کیپر کوشال مینڈس کے درمیان 47 گیندوں پر 64 رنز کی شاندار پارٹنرشپ نے کسی حد تک سری لنکن ٹیم کو آگے بڑھنے اور ایک اچھا ہدف دینے کی کوشش تو کی مگر یہ شراکت داری زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی۔

84 کے مجموعے پر کوشال مینڈس کے آؤٹ ہو جانے کے بعد سری لنکن بلے بازوں میں سے کوئی بھی پاکستانی بولنگ لاؤ اپ کے سامنے جم کر نہیں کھیل سکا اور پویلین کی جانب لوٹ جانے والوں کی لائن لگ گئی۔ سری لنکا کی پوری ٹیم 20 اوورز بھی مکمل کھیلنے میں کامیاب نہیں ہو پائی اور 114 رنز بنا کر 20ویں اوور کی پہلی گیند پر آل آؤٹ ہو گئی۔

پاکستان کی جانب سے شاہین شاہ آفریدی اور محمد نواز نے تین تین کھلاڑیوں کو آؤٹ کیا۔ ابرار احمد نے دو وکٹیں حاصل کیں جبکہ صائم ایوب اور سلمان مرزا نے ایک ایک کھلاڑی کو آؤٹ کیا۔

تاہم پاکستان کی جانب سے ٹیم کے سابق کپتان بابر اعظم نے نہایت اچھی فیلڈنگ کا مظاہرہ کیا اور تین شاندار کیچز پکڑے۔

ٹرائی نیشن سیریز کے فائنل میں پاکستان کی جانب سے ٹیم میں ایک تبدیلی کی گئی تھی جس میں فاسٹ بولر وسیم جونیئر کی جگہ شاہین شاہ آفریدی کو ٹیم میں شامل کیا گیا تھا۔

پاکستانی بلے باز بابر اعظم کی فائنل میچ میں تین کیچز کی تعریف اُن کے فینز نے سوشل میڈیا پر خوب کی جہاں گلشن زہرہ نے بابر اعظم کے یہ تین کیچ پکڑتے ہوئے کی تصویر شیئر کی اور شاباش دی وہیں رانا احمد نے نے اُن کی تعریف میں لکھا 'بابر اعظم نے شاندار کیچ پکڑے۔'

پاکستانی کرکٹ فینز نے جہاں بابر اعظم کی تعریف کی وہیں کُچھ فینز محمد نواز کی فائنل میچ میں تین وکٹوں کا ذکر کرتے بھی نظر آئے۔

فرید خان نے ایکس پر محمد نواز کی تعریف کی اور لکھا کہ 'محمد نواز پاکستان ٹیم میں واپسی کے بعد سب سے زیادہ بہتر انداز میں کھیل پیش کرنے والے کھلاڑی ہیں۔'

فاف ڈوپلیسی

آئی پی ایل کی بجائے اب پی ایس ایل کیوں کھیلیں گے؟

جنوبی افریقی کھلاڑی فاف ڈوپلیسی نے اپنے ایک بڑے فیصلے کا اعلان سنیچر کے روز سوشل میڈیا پر کیا، جس میں انھوں نے لکھا کہ وہ گذشتہ 14 سال سے مسلسل ہر سال آئی پی ایل کا حصہ رہے ہیں مگر اگلے سال ایسا نہیں ہوگا۔ یعنی اس بار وہ آئی پی ایل کی آکشن کا حصہ نہیں بنیں گے، جس میں ٹیموں کی طرف سے کھلاڑیوں کی بولی لگائی جاتی ہے۔

انھوں نے اپنی پوسٹ میں مزید لکھا کہ 'رواں برس میں نے ایک نئے چیلنج کو قبول کرنے کا فیصلہ کیا اور اب پی ایس ایل سیزن 11 میں کھیلنا چاہتا ہوں۔'

فاف ڈوپلیسی نے کہا کہ 'یہ میرے لیے ایک دلچسپ قدم ہے، یہ نیا تجربہ کرنے اور ایک کھلاڑی کے طور پر آگے بڑھنے کا بھی موقع ہے۔'

انھوں نے اپنے اس بیان میں اس بات کا بھی ذکر کیا کہ 'انڈیا کی محبت میرے دل میں ہے اور ایسا نہیں ہے کہ میں دوبارہ آئی پی ایل نہیں کھیلوں گا۔'

انھوں نے مزید کہا کہ 'مجھے ایک نئی لیگ کو قریب سے جاننے کا موقع ملے گا۔ پاکستان سپر لیگ بھرپور جذبے اور ٹیلنٹ سے بھری ہوئی ہے اور میں پاکستان کی روایتی مہمان نوازی اور پُرجوش شائقین کے سامنے کھیلنے کا منتظر ہوں، آپ سے جلد ملاقات ہوگی۔'

فاف ڈوپلیسی کی ایکس پر اس پوسٹ کو پاکستان سُپر لیگ کے آفیشل ایکس اکاؤنٹ کی جانب سے ری پوسٹ کیا گیا اور ساتھ لکھا کہ 'فاف ڈوپلیسی ہم آپ کو پی ایس ایل میں خوش آمدید کہتے ہیں۔'

اسی پوسٹ میں مزید یہ بھی تھا کہ 'کیا ہمارے کرکٹ فینز ایسا دیکھنے کے لیے تیار ہیں۔'

واضح رہے کہ فاف ڈوپلیسی نے آئی پی ایل کھیلنے کا آغاز 2012 میں کیا تھا جب انھوں نے چنائی سُپر کنگز میں شمولیت اختیار کی تھی۔

سنہ 2023 میں ہونے والی آئی پی ایل کے سیزن میں فاف ڈپلیسی نے رائل چیلنجرز بنگلور کی کپتانی بھی کی۔

بدھ کو واشنگٹن ڈی سی میں وائٹ ہاؤس کے قریب ہونے والے حملے کے بعد امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے کہا ہے کہ وہ 'تیسری دنیا' کے ممالک کے شہریوں کے امریکہ آنے پر مستقل پابندی لگائیں گے۔

تاہم صدر ٹرمپ نے یہ نہیں بتایا کہ 'تیسری دنیا' میں کون سے ممالک شامل ہیں یا ان کے اعلان کا اطلاق کن ممالک پر ہوگا۔

'تیسری دنیا' کے شہریوں کی امریکہ داخلے پر پابندی

یہ اصطلاح کن ممالک کے لیے استعمال کی جاتی ہے؟

اس سے سوال پیدا ہوتا ہے کہ 'تیسری دنیا' کیا ہے اور اس میں کون سے ممالک شامل ہیں؟ کیا پاکستان یا انڈیا بھی اس فہرست میں موجود ہیں؟

'تیسری دنیا' کیا ہے؟

'تیسری دنیا' کی کوئی واضح جغرافیائی یا لفظی تعریف نہیں ہے۔ یہ اصطلاح عام طور پر غریب اور پسماندہ ممالک کے لیے استعمال ہوتی تھی۔

یہ اصطلاح خاص طور پر 20ویں صدی کے دوسرے نصف میں مقبول ہوئی جب دنیا کے بہت سے ممالک یورپی نوآبادیات سے آزاد ہو رہے تھے۔

'تیسری دنیا' کی اصطلاح عالمی صنعتی ممالک کو جوڑنے والے معاشی اور سیاسی تعلقات سے باہر کی قوموں کو بیان کرنے کے لیے استعمال کی گئی تھی، جن میں سے اکثر سابق یورپی کالونیاں تھیں۔

تاہم 'تیسری دنیا' کی اصطلاح اصل میں ان ممالک کے لیے استعمال کی گئی تھی جو سرد جنگ کے دوران نہ تو مغربی سرمایہ دارانہ بلاک اور نہ ہی سوویت کمیونسٹ بلاک کا حصہ تھے۔

ایک طرف امریکہ کی قیادت میں 'پہلی دنیا' تھی، دوسری طرف سوویت یونین کی قیادت میں 'دوسری دنیا' تھی۔ ایک 'تیسری دنیا' اُبھر رہی تھی جو ان دونوں کے دائرہ کار سے باہر تھی۔

تاہم بعد میں 'تیسری دنیا' کی اصطلاح ان ممالک کے لیے استعمال کی گئی جو غریب، ترقی میں پسماندہ یا ترقی پذیر تھے۔

یہ اصطلاح کہاں سے آئی؟

'تیسری دنیا' کی اصطلاح سب سے پہلے فرانسیسی ڈیموگرافر الفریڈ سووی نے 1952 میں استعمال کی۔

ایک مضمون میں اس نے لکھا کہ 'یہ تیسری دنیا، نظر انداز، حقیر، استحصال کا شکار، تھرڈ سٹیٹ کی طرح بھی کچھ بننا چاہتی ہے۔'

ڈیموگرافر اور ماہر اقتصادیات الفریڈ سووی نے پہلی بار 'تیسری دنیا' کی اصطلاح تھرڈ سٹیٹ (کسانوں، مزدوروں، عام لوگوں) کے لیے استعمال کی جو فرسٹ سٹیٹ 'پادری' اور سیکنڈ سٹیٹ 'اشرافیہ' کے استحصال کا شکار اور محروم طبقہ تھے۔ ایک طرح سے انھوں نے استحصال زدہ اور محروم ممالک کے لیے 'تیسری دنیا' کی اصطلاح استعمال کی۔

وہ ممالک جو استحصال اور محروم تھے لیکن آگے بڑھنا چاہتے تھے۔

تاہم 'تیسری دنیا' کے ممالک کی تعریف اور سمجھ آج بدل چکی ہے۔

'تیسری دنیا' کی اصطلاح اب سیاسی اور اقتصادی حوالے سے شاذ و نادر ہی استعمال ہوتی ہے۔

اب ایسے ممالک کے لیے 'گلوبل ساؤتھ' یا 'ترقی پذیر ممالک' یا 'کم اور درمیانی آمدنی والے ممالک' جیسے جملے استعمال کیے جاتے ہیں۔

توہین آمیز خطاب؟

فی الحال کسی بھی ملک کے لیے 'تیسری دنیا' کی اصطلاح کا استعمال توہین آمیز سمجھا جاتا ہے۔

2022 میں اقوام متحدہ کے سربراہ انتونیو گوتیرس نے کہا تھا کہ 'تیسری دنیا کی اصطلاح پرانی اور توہین آمیز ہے۔ اب ہم ترقی پذیر ممالک یا گلوبل ساؤتھ کی بات کرتے ہیں۔'

عام طور پر، اس میں کم فی کس مجموعی قومی پیداوار (جی ڈی پی)، غربت کی زیادہ شرح، کمزور صنعتی ڈھانچہ، سیاسی عدم استحکام، یا جن کی معیشت بنیادی مصنوعات جیسے خام مال، زرعی مصنوعات، معدنیات کی برآمد پر مرکوز ہے۔

تاہم ماہرین نے تیسری دنیا کو بھی معاشی تصور کے بجائے سیاسی تصور سمجھا ہے۔

امریکی ماہر عمرانیات، مصنف، اور پروفیسر ارون لوئس ہوروویٹز نے اپنی کتاب تھری ورلڈز آف ڈویلپمنٹ: دی تھیوری اینڈ پریکٹس آف انٹرنیشنل اسٹریٹیفکیشن میں لکھا ہے، 'تیسری دنیا ایک سیاسی تصور ہے، معاشی نہیں۔۔۔ اس سے مراد وہ ممالک ہیں جو سرد جنگ کے دوران غیر منسلک رہے۔'

1970 کی دہائی میں، ورلڈ بینک کے ماہر اقتصادیات ہولس چنری نے لکھا، 'تیسری دنیا کی اصطلاح اپنی افادیت کھو چکی ہے۔۔۔ یہ جنوبی کوریا جیسے ترقی یافتہ ممالک کو صومالیہ جیسی ناکام ریاستوں کے ساتھ اکٹھا کر دیتی ہے۔'

کیا تیسری دنیا کی اصطلاح آج بھی زیرِ استعمال ہے؟

آج کے دور میں کسی بھی ملک کے لیے تیسری دنیا کی اصطلاح استعمال کرنا توہین سمجھا جاتا ہے۔

اب کسی ملک کو یا تو 'ترقی پذیر' یا 'فرنٹیئر' کہا جاتا ہے۔

ترقی پذیر قومیں وہ ہیں جو لوگوں کے معیار زندگی کو بہتر بنانے کے لیے بنیادی ڈھانچے جیسے کہ تعلیم، صحت اور تجارت کو مضبوط بنانے کے لیے پرعزم ہیں۔ فرنٹیئر قومیں وہ ہیں جو ابھی اس عمل کا آغاز کر رہی ہیں۔

اقوام متحدہ بھی کچھ اقوام کو سب سے کم ترقی یافتہ (سابقہ چوتھی دنیا) سے تعبیر کرتا ہے۔ یہ وہ ممالک ہیں جو عالمی معاشی نظام، ٹیکنالوجی اور سیاست سے الگ تھلگ ہیں۔

دنیا کو معاشی اور سیاسی بنیادوں پر درجہ بندی یا تقسیم کرنے کے لیے بہت سی اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں۔

مثال کے طور پر پہلی دنیا ان ممالک کے لیے استعمال کی گئی ہے جو معاشی طور پر مضبوط ہیں۔

پہلی دنیا میں عام طور پر انتہائی صنعتی سرمایہ دار ممالک شامل ہیں۔

اگرچہ یہ اصطلاح اب پرانی ہو چکی ہے، آج پہلی دنیا کے ممالک کی فہرست میں جاپان، شمالی امریکہ اور مغربی یورپ شامل ہوں گے۔

کچھ مشرقی یورپی ممالک، جنوبی امریکی ممالک اور ایشیائی ممالک بھی اس میں شامل ہو سکتے ہیں۔

ایسے میں موجودہ تناظر میں تیسری دنیا کے ممالک کون ہو سکتے ہیں؟

'تیسری دنیا' کی اصطلاح اب ایک متروک اور توہین آمیز اصطلاح ہے۔

تاہم، موجودہ اقتصادی منظر نامے میں، اسے کم آمدنی والے یا کم ترقی یافتہ ممالک کو شامل کرنے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

اس وقت اقوام متحدہ کی سب سے کم ترقی یافتہ ممالک کی فہرست میں 44 ممالک ہیں، جن میں سے 32 افریقہ میں ہیں۔



افریقی ممالک میں انگولا، بینن، برکینا فاسو، برونڈی، وسطی افریقی جمہوریہ، چاڈ، کوموروس، کانگو، جبوتی، اریٹیریا، ایتھوپیا، گیمبیا، گنی، گنی بساؤ، لیسوتھو، لائبیریا، مڈغاسکر، ملاوی، مالی، موریطانیہ، سینیگال، صومالیہ، جنوبی سوڈان، سوڈان، ٹوگو، یوگنڈا، تنزانیہ، زیمبیا شامل ہیں۔

جبکہ ایشیا میں ایسے آٹھ ممالک ہیں جن میں افغانستان، بنگلہ دیش، کمبوڈیا، لاؤ پی ڈی آر، میانمار، نیپال، تیمور لیسٹے، یمن شامل ہیں۔

ایک کیریبین ملک ہیٹی اور پیسیفک میں کریباتی، سولومن جزائر، تووالو جزیرے شامل ہیں۔

انڈیا اور پاکستان دنیا کے کم آمدنی والے ممالک میں شامل نہیں ہے۔

تاہم، تیسری دنیا کے تاریخی تناظر میں، انڈیا ناوابستہ تحریک کا حصہ تھا اور اس لیے ان ممالک کو اسے تیسری دنیا میں شامل کیا گیا۔

تاہم، موجودہ اقتصادی تناظر میں نہ ہی انڈیا اور نہ پاکستان اس فہرست میں شامل ہیں۔

اگرچہ انڈیا دنیا کی تیزی سے ترقی کرنے والی معیشتوں میں شامل ہے تاہم انڈیا میں اقتصادی عدم مساوات کو تشویشناک سمجھا جاتا ہے۔

سلمان خان

تحریر: ماہم چوہدری

عبدالرشید المعروف سلمان خان 27 دسمبر 1965 کو ہندوستان کے مدھیہ پردیش کے شہر Indore میں پیدا ہوئے

سلمان خان کے والد سلیم خان بالی ووڈ کے معروف اسکرین رائٹر ہیں اور ان کی والدہ کا اصل نام سوشیلا چراک ہے، جو بعد ازاں فلمی دنیا میں سلمہ خان کے نام سے جانی گئیں ہیں

سلمان خان فیملی میں سب سے بڑے ہیں

ان کے دو بھائی ارباز خان اور سہیل خان ہیں، جو خود بھی فلمی دنیا سے وابستہ ہیں

اور دو بہنیں الویرا خان (فلم پروڈیوسر و فیشن ڈیزائنر) اور ارپیتا خان (انٹیریئر ڈیزائنر) ہیں

الویرا خان سلمان کی سگی بہن ہیں اور ارپیتا خان گود لی گئی بہن ہیں

سلمان خان کے خاندانی پس منظر کی ایک خاص بات یہ ہے کہ ان کے والد مُسلم ہیں اور والدہ ہندو ہیں، یعنی سلمان خان ایسی فیملی سے تعلق رکھتے ہیں جہاں مذہبی اور ثقافتی امتزاج ہے

نوجوانی میں ہی سلمان خان کا مزاج آزاد اور باغی تھا، جب کہ سلمان خان کے والد اصول پسند اور سخت گیر تھے

سلمان خان نے اپنے کیریئر کا آغاز سب سے پہلے ماڈلنگ سے کیا اشتہارات میں جلوہ گر ہوئے، پھر 1988 میں پہلی فلم" بیوی ہو تو ایسی کے ذریعے اداکاری شروع کی ۔مگر ان کی پہچان 1989 میں ریلیز ہونے والی رومانی فلم" میں نے پیار کیا سے ہوئی، جس میں اُن کے کردار" پریم" نے دلوں کو چھو لیا

یہی فلم انہیں overnight اسٹار بنا گئی۔

1991 میں سلمان خان کی فلم" ساجن"

اور 1994 میں ان کی فلم" ہم آپ کے ہیں کون" نے باکس آفس پر دھوم مچا دی اور سلمان خان کی مقبولیت میں حیرت انگیز اضافہ ہوا

ان فلموں کو اُس دور کی سب سے بڑی ہٹ فلموں میں شمار کیا گیا اس فلم نے سلمان خان کو" فیملی اسٹار، رومانٹک سٹار" کی پہچان دی ۔انہی ادوار میں انہوں نے مختلف اصناف کی فلموں میں کام کیا اسی دور کی مشہور فلموں میں رومانوی اور کہانی والی فلمیں شامل تھیں

سلمان خان کی بعض فلمیں پیار سے بھرپور تھیں۔جیسا کہ باغی، پتھر کے پھول، قربان، سوریہ ونشی، جاگرتی، اک لڑکا اک لڑکی، چندر مکھی، دل تیرا عاشق، چاند کا ٹکڑا، انداز اپنا اپنا، سنگدل صنم، پیار کیا تو ڈرنا کیا، بندھن، منجدھار اور خاموشی وغیرہ

سلمان خان نے رومانوی اور ایکشن موویز میں بھی نمایاں کردار ادا کیا۔جیسا کہ سلمان خان کا مزاج پس پردہ غصیلا بھی تھا اور ہے تو سلمان خان نے" کرن ارجن، ویر گتی، وانٹیڈ، دبنگ، کِک، اک تھا ٹائیگر، ٹائیگر زندہ ہے اور سکندر جیسی مویز میں بھی اہم کردار ادا کیا اور ایکشن فائیٹر ہیرو کے طور پر جلوہ گر ہوئے۔

بجرنگی بھائی جان جیسی فلموں میں انسانیت سے بھرپور کردار بھی ادا کیا

سلمان خان نے شادی نہیں کی، ماضی میں ان کے تعلقات مختلف مشہور صنفِ نازک اداکاراؤں سے رہے ۔مگر کسی بھی اداکارہ کے ساتھ شادی کا بندھن قائم نہ کیا۔

سلمان خان کی فٹنس ایک راز ہے، سلمان خان نیکی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔

سلمان خان کے جیون کے مثبت پہلو دیکھ کر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سلمان خان ایک فلمی ہیرو ہی نہیں، واقعی میں ہی اس دنیا میں ہیرو ہے۔

تقریباً چار دہائیوں کے کیریئر کے بعد بھی سلمان خان نے خود کو بدلتے رجحانات اور جدید دور کے مطابق ڈھالا۔

سلمان خان کے فین آج بھی سلمان خان کو ایک جوان کامیاب اداکار دیکھنا چاہتے ہیں

سلمان خان کے فین سلمان خان کی شخصیت میں جادوئی کشش ایسی محسوس کرتے ہیں کہ فینز کو محسوس ہوتا ہے کہ جیسے سلمان خان اپنی طرف کھینچ رہا ہو لوگوں کا دل کرتا ہے کہ سلمان خان کو چھو لیں

سلمان خان کی شہرت صرف اداکاری تک محدود نہیں، انہوں نے سماجی فلاح کے لیے بھی کام کیا

انہوں نے چیریٹی ادارہ Being Human Foundation قائم کیا جو ضرورت مندوں کو تعلیم، صحت اور دیگر سماجی خدمات فراہم کرتا ہے

ان کی فلاحی ادارے" Being Human" کی آمدنی کے ایک حصے کو خیراتی کاموں میں لگایا جاتا ہے

اور ان کے قریبی لوگوں اور کارکنوں کے مطابق، وہ نجی طور پر بھی بے شمار لوگوں کی چھپ کر مدد کرتے ہیں ۔سلمان خان پس پردہ انسانیت کے اوصاف رکھنے والا رحم دل زندہ دل شخص ہے

سلمان خان غصیلا ضرور ہے، مگر منافق نہیں

سلمان خان کی شہرت سے حاسد حسد کا شکار ہوئے

تنازعات اور قانونی معاملات میں پھنسایا گیا

1998 میں فلم کی شوٹنگ کے دوران، ان پر الزام لگا کہ انہوں نے غیر قانونی شکاری یعنی ممنوع جانور Blackbuck ہلاک کیے تھے جو ایک حساس اور محفوظ نوع تھا اس الزام کے تحت انہیں عدالتوں کا سامنا کرنا پڑا۔

2002 میں ان کی گاڑی کے ایک حادثے (hit-and-run) پر کیس بنا، الزام تھا کہ نشے کی حالت میں گاڑی چلائی گئی جس سے ایک شخص ہلاک اور دیگر زخمی ہوئے۔2015 میں انہیں سزا سنائی گئی تھی، مگر اپیل میں سزا معطل ہو گئی

چونکہ سلمان خان ایک بڑا نام ہے ان کی نجی زندگی، بیانات اور تعلقات پر میڈیا ہمیشہ نظر رکھتا ہے

اس وجہ سے ان کی شہرت کے ساتھ ساتھ تنازعات بھی ان کا حصہ رہیں

آج بھی سلمان خان چاہے ان کی فلمی ریلیز ہو یا ان کے بیانات میڈیا اور عوامی توجہ کا مرکز رہتے ہیں

ان کے چاہنے والوں کی تعداد بے شمار ہے۔ان کی شخصیت میں آج بھی رومانس اور ایکشن فائیٹر ہیرو نمایاں ہے

لوگ ان کو" بھائی جان" کے نام سے بھی پکارتے ہیں ۔بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ ڈان ہیں اسی لئے ان کو بھائی جان کہا جاتا ہے اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ ہمدرد ہیں اس لئے انہیں بھائی جان کہا جاتا ہے

بہرحال سلمان خان کے ہمدرد ہونے میں کوئی شک نہیں۔

دعا بھی

علاج بھی

پٹنی

چیئریٹیبل اسپتال





- جدید ترین آلات اور ماہر ڈاکٹرز
- مستحق مریضوں کے لیے خصوصی رعایت
- ایمرجنسی سہولت 24 گھنٹے میسر
- خواتین اور بچوں کے لیے علیحدہ وارڈز
- صاف ستھرا ماحول اور بہترین نگہداشت











ADDRESS
126/14 Sector 5-F
New Karachi

PHONE
0325-3152000



مریم علی۔محمد گوال



پٹنی اسپتال نیو کراچی کے دورے پر صدر پٹنی برادری ولی محمد ملیک، یوسف سومرہ، حسین پٹنی و دیگر کا گروپ فوٹو



جنرل سیکریٹری ہارون ناخوا



صدر ولی محمد ملیک



”یوم وفات“

شہید بینظیر بھٹو:

جمہوریت اور جدوجہد کی علامت



شہید بینظیر بھٹو کی 18 ویں برسی کے موقع پر سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ جامشورو ان کی بے مثال قربانیوں، اُصولوں اور جمہوریت کے لیے کی جانے والی جدوجہد کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہے

تعلیم ہی روشن مستقبل کی ضمانت ہے

ادارے کا پیغام:

- سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ جامشورو کی پالیسی کے مطابق علم کی روشنی پھیلانے اور سندھ کے ہر بچے تک مفت تعلیم پہنچانے کا مشن جاری رہے گا
- ہم شہید بینظیر بھٹو کے دکھائے گئے راستے پر چلتے ہوئے ایک ایسا معاشرہ بنانے کے لیے پرعزم ہیں جہاں ہر بچے کو تعلیم اور شعور کا بنیادی حق حاصل ہو

منجانب: چیئرمین/سیکریٹری (سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ جامشورو)